بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیم الایمان

ایمان قبول نہ کرنے کے بہانے

تصنیف

عبداللہ صدیقی

(ریسرچ اسکالر آف ایمانیات)

زیر سرپرستی

مولانا امتیاز احمد خان صاحب مفتاحی نقشبندی ماہر نرملی

(مہتمم واستاذ تفسیر وحدیث جامعۃ المؤمنات نرمل)

ناشر

عظیم بک ڈپو، جامع مسجد دیوبند، یوپی، انڈیا۔

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کی چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ ایمان قبول نہ کرنے کے بہانے

مصنف:۔ عبداللہ صدیقی

زیر سرپرستی:۔ مولانا امتیاز احمد خان مفتاحی نقشبندی ماہر نرملی

(مہتمم واستاذ تفسیر وحدیث جامعۃ المؤمنات، نرمل) 08555932034

سنہ طباعت:۔ ۲۰۱۹ء

تعداد اشاعت:۔ 500

کمپیوٹر کتابت:۔ النور گرافکس، حیدرآباد، تلنگانہ۔ 9963770669

ناشر:۔ عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔ 247554

09997177817, 09760704598

☆☆ ملنے کے پتے ☆☆

مکتبہ کلیمیہ، نامپلی، حیدرآباد، تلنگانہ اسٹیٹ۔ 09885655591

ہندوستان پیپر ایمپوریم، مچھلی کمان، چارمینار، حیدرآباد۔ 09246543507

اپنی اولاد میں حقیقی اور شعوری ایمان پیدا کرنا ہو اور اللہ کی پہچان صفاتِ الٰہی کے ذریعہ کروا کر اسلام پر زندگی گذارنا ہو تو تعلیم الایمان کے تمام حصے ضرور پڑھئے، اللہ کی پہچان حاصل کئے بغیر اسلام پر چلنا اعمال کو ضائع کرنا ہوگا، اور اپنی اولاد کو کمزور اور غیر شعوری ایمان سے بچایئے۔

ایمان قبول نہ کرنے کے بہانے

انسان دنیا میں نئی نئی چیزوں کے ایجاد ہونے پر تو اختلاف نہیں کرتا مگر خدا اور خدا کی قدرت پر مختلف خیالات ورائے رکھتا ہے

سوائے اسلام کے دنیا میں جتنے مذاہب کے لوگ ہیں وہ دنیا میں نئی نئی عجیب و غریب چیزوں کے ایجاد ہونے اور عقل کی سمجھ میں نہ آنے کے باوجود سائنس کے علم پر کامل بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں اور اختلاف نہیں رکھتے، ہر مذہب کے انسانوں کا ذہن ایک ہی ہوتا ہے، مگر اللہ اور اللہ کی قدرت پر بغیر علم حاصل کئے صرف اپنے خیال وگمان سے عقل کے گھوڑے دوڑا کر مختلف خیالات ونظریات رکھتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس دانوں کے علم پر بغیر سمجھے اعتماد کر کے یقین کرتے ہیں، لیکن پیغمبروں پر بھروسہ نہیں؛ حالانکہ پیغمبروں کی دعوت عقلی دلائل اور فطرت کے مطابق ہوتی ہے۔

مثلاً کسی زمانہ میں موبائل فون کی سہولت نہیں تھی، اب سائنس نے ترقی کر کے موبائل فون ایجاد کیا اور اس سے کئی باتوں کا علم حاصل کرنے کے قابل بنا دیا، جس کی وجہ سے انسان سمندر پار دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں بات کر سکتا ہے، سوائے سائنس دانوں کے عام انسانوں کو فون کی ٹکنالوجی کا علم ہی نہیں رہتا، نہ وہ اس کے پورے نظام سے واقف رہتے ہیں اور نہ یہ بات ان کے سمجھ میں آسکتی ہے، لیکن ہر مذہب والا کہتا ہے کہ ٹاور Tower پر ہواؤں کے ریز Rays ٹیلیفون کا نظام چلا رہے ہیں۔

کسی مذہب کے لوگ اس کا انکار نہیں کرتے، اور نہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ بغیر وائر کنکشن کے صرف ہواؤں سے یہ نظام کیسے چل رہا ہے؟ جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ ٹیلیفون کے وائر کا کنکشن ہی نہیں، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہر ملک کا فاصلہ ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور کا ہے، ہر ملک کے درمیان میلوں سمندر ہیں، سمندروں میں کوئی ٹاور نہیں، ہواؤں سے آواز اتنی آسانی سے نہیں جاسکتی، ہم خود اپنی آواز کو آمنے سامنے ہو کر سو دو سو گز تک نہیں

پہنچا سکتے، ہوا جب چلتی ہے تو بس ایک سمت چلتی ہے، ایک ہی وقت میں چاروں سمت نہیں چلتی، جبکہ ٹیلیفون کا نظام چاروں سمت کام کرتا ہے۔

عقل میں نہ آنے کے باوجود ایسی سوچ سے وہ سائنس دانوں کا انکار کر کے یہ نہیں کہتا کہ یہ ٹیلیفون کا نظام چلانے کے لئے ہر ملک میں اور سمندروں میں چھوٹے چھوٹے خدا یا دیوی دیوتا بیٹھے ہیں، وہ ایک دوسرے سے تعاون کر کے ہماری آواز کو دوسرے ملکوں میں پہنچا رہے ہیں، سائنس کو ہم نہیں مانتے، یہ بات کوئی نہیں کہتا، بغیر ٹیلیفون کے نظام کو سمجھے ہر کوئی سائنس دانوں کو سچا مانتا ہے، ہر مذہب والا مانتا ہے کہ سارے ٹیلیفون کا کنٹرول ایک ٹیلیفون بھون سے ہے، اب تو ترقی کر کے ٹیلیفون میں کیمرے بھی ایجاد ہو گئے ہیں، بات کرنے والا اور بات سننے والا دونوں آمنے سامنے جیسے گھر میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں وہ سہولت بھی آ گئی ہے، اس میں بھی کسی کا انکار نہیں کہ سمندر پار سے کیسے فوٹو آ سکتی ہے، کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ کسی خاص دیوتا یا چھوٹے چھوٹے خداؤں کا کمال ہے، ٹیلیفون کا کمال اور سائنس کا کمال نہیں؛ بلکہ سب آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرتے ہیں اور ٹیلیفون کے نظام کو سچ مانتے ہیں، ٹیلیفون یا سائنسدان کی پوجا نہیں کرتے، اسے سائنس کا علم مانتے ہیں، کوئی جادو کا عمل نہیں سمجھتے۔

پچھلے زمانوں میں ٹی وی، فیاکس اور انٹرنیٹ سسٹم نہیں تھا، آج لوگ سائنس کی ترقی کی وجہ سے ٹی وی کے ذریعہ دنیا کے اندر ہونے والے واقعات کو ایک ہی وقت میں لاکھوں گھروں میں بیٹھ کر دیکھتے ہیں، فیاکس اور انٹرنیٹ سے اپنے اہم کاغذات کی فوٹو اور معلومات دوسرے ملکوں میں بھیجتے ہیں اور ہزاروں میل پر ان کاغذات کی فوٹو کاپی نکالی جا سکتی ہے، سائنس کہتی ہے کہ یہ سارا نظام خاص ہواؤں کی لہروں سے مدد لے کر اسٹار کنکشن انٹرنیٹ کے ذریعہ چلایا جا رہا ہے، سارے مذاہب کے انسان سائنس کے اس علم کو ٹکنالوجی سے واقف ہوئے بغیر اور عقل میں آئے بغیر سچا مانتے ہیں اور یقین کرتے ہیں، ان کو ٹی وی، فیاکس اور انٹرنیٹ کی ٹکنالوجی معلوم نہیں رہتی؛ البتہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہر ملک

کے درمیان بڑے بڑے سمندر ہیں، ان سمندروں پر گہرا اندھیرا ہے، ہر ملک میں بڑے بڑے پہاڑ ہیں، میلوں جنگلات ہیں، درخت اور باغات ہیں، پھر انسانوں کی بڑی بڑی بلڈنگیں اور ان کی دیواریں ہیں، اس کے باوجود ہواؤں کی لہروں سے ہمارے گھروں میں تصاویر اور کاغذات کی فوٹو کیسے آرہی ہے؟ ہواؤں کے ذریعہ یہ عمل کیسے ہوسکتا ہے؟ کسی گھر میں ٹی وی کے مناظر جو جس وقت چلتے ہیں ان میں رتی برابر فرق نہیں ہوتا، ریموٹ کا بٹن دباتے ہی جو چینل چاہئے آجاتا ہے، ہر ملک کے چینل سے حالات دیکھ سکتے ہیں۔

ایسا سوچ کر کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ سائنس کا کمال نہیں، ہم سائنس دانوں کو نہیں مانتے، یہ تو کئی چھوٹے خداؤں یا دیوی دیوتاؤں کے جادو کا کمال ہے، وہ یہ کام کر رہے ہیں، اور ٹی وی، انٹرنیٹ اور فیاکس کے نظام کو چلا رہے ہیں، یہ صرف ہواؤں سے چلنے والا نظام نہیں، ہوائیں درمیان کی ساری رُکاوٹوں کو ہٹا کر کیسے من وعن ہر جگہ کے حالات، کھیل کود، زلزلے اور طوفان وغیرہ دکھا سکتی ہے؟ یہ تو دیوی اور دیوتاؤں کا کمال ہے، ایسا کوئی نہیں کہتا، اس کو سائنس کی ترقی اور علم مانتا ہے اور سائنس دانوں کی پوجا نہیں کرتا۔

☆ کسی زمانہ میں بجلی نہیں تھی، ہر طرف چراغوں سے روشنی کی جاتی تھی، سائنس نے ترقی کر کے بجلی تیار کرنے کا طریقہ ایجاد کیا، شروع شروع میں دریاؤں کے پانی کے بہاؤ سے بڑے بڑے ٹربائین کے ذریعہ بجلی پیدا کرنے کے لئے ٹرانسفارمروں میں محفوظ کر کے پاور Power اسٹیشنوں میں رکھا جاتا تھا، پھر وہاں سے شہروں اور گاؤں میں وائروں کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے، اب تو ایٹامک انرجی سے بجلی بنائی جارہی ہے، بجلی کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ سیکنڈوں میں لاکھوں میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔

ہر مذہب کا انسان اس کو سچ مانتا ہے اور بجلی کے پیدا کرنے اور بنانے کے نظام پر اس کی ٹکنالوجی جانے بغیر اور عقل میں آئے بغیر یقین کر لیتا ہے، کوئی نہیں کہتا کہ بجلی آگ ہے، پانی اس کی ضد ہے، آخر پانی کی مدد سے کیسے بجلی بن سکتی ہے؟ پھر یہ کہ وہ کوئی لوہا، لکڑی اور تانبے کی طرح جسم نہیں رکھتی کہ اس کو محفوظ کیا جاسکے، اس کو محفوظ کیسے کیا

جاسکتا ہے؟ بجلی کی خاصیت الگ ہے، پانی کی خاصیت الگ ہے، سائنس کی یہ بات جھوٹ ہے، بجلی خود بخود اپنے آپ بن رہی ہے، بجلی کے بنانے اور بھیجنے والے دیوی دیوتا الگ الگ ہیں، وہ اس پر کنٹرول رکھتے ہیں، یا سولار سسٹم سے سورج کی روشنی سے بجلی بنائی جارہی ہے، اس کو سب مانتے ہیں، کوئی یہ نہیں کہتا کہ سورج کا دیوتا روشنی میں گرمی دے کر بجلی دے رہا ہے، ہر مذہب کا ماننے والا یہ یقین رکھتا ہے کہ بجلی اس کے پاور Power ہاؤز سے آرہی ہے، کوئی بھی بجلی کو خدا سمجھ کر بلب، ٹیوب لائٹ اور پنکھے پر پھول مالائیں ڈال کر ان کی ڈنڈوت نہیں کرتا اور نہ سائنس دانوں کی پوجا اور پرستش کرتا ہے، اس کو سائنس کا علم جانتا ہے۔

☆ اسی طرح ہوائی جہاز کا تین چار سو انسانوں کو سامان کے ساتھ اتنا وزن لے کر ہوا میں اڑنا ہر کوئی سائنس کا کمال جانتا اور مانتا ہے، دیوی دیوتاؤں کا کمال نہیں سمجھتے؛ حالانکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ ہوا معمولی تنکے اور کنکر کو بھی نیچے گرادیتی ہے، معلق شئے کو نہیں اُڑاتی، کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہم سائنس کو نہیں مانتے، یہ صرف دیوی دیوتا ہوائی جہاز کو ہوا میں لے کر دوڑ رہے ہیں، جیسے پانی بادلوں کو سنبھال کر اُڑاتی ہے، ہوا میں بغیر سہارے کے جہاز کیسے دوڑ سکتا ہے؟ ہوا اسے کیسے سنبھال رہی ہے؟ ہوائی جہاز کی ٹکنالوجی کو جانے بغیر سائنس کے علم پر بھروسہ کر کے اس میں بے فکری سے سفر کرتے ہیں، ہوائی جہاز کی کوئی پوجا نہیں کرتا۔

☆ دن رات پانی سے بھاپ بنا کر ریل گاڑیوں کے چلنے، پٹرول سے موٹر کاریں، ٹرک اور ریل گاڑیاں چلنے کو، سمندری جہازوں کے ہزاروں ٹن وزنی سامان کو لے کر پانی پر پھولوں کی طرح تیرتے رہنے کو؛ حالانکہ ہر کوئی جانتا ہے پانی ایک کنکر کو بھی اپنے اوپر تیرنے نہیں دیتا بلکہ ڈبو دیتا ہے، راکٹ کا آسمان پر سے چاند کی فوٹوز مین پر بھیجنے کو، زلزلے، طوفان اور آندھی کے آنے کو، سورج گہن اور چاند گہن کی اڈوانس اطلاع دینے اور ان کی ٹکنالوجی سے واقف نہ رہنے کے باوجود ہر مذہب کے لوگ سائنس دانوں کے علم پر بھروسہ کرتے، اعتماد رکھتے اور سچ مانتے ہیں، اُسے دیوی دیوتاؤں کا یا

چھوٹے چھوٹے خداؤں کی یا بزرگوں اور ولیوں کی کرامات کا عمل دخل نہیں کہتے۔

مگر افسوس! کائنات کے آثار اور اللہ اور اللہ کی قدرت کے تعلق سے بغیر علم حاصل کئے پیشواؤں اور گمراہ رہبروں کے وہم وگمان اور خیالات کو سچ مانتے ہیں، ان پر اعتماد اور یقین کرتے ہیں، اور ان کے خیالات پر اللہ کا یا تو انکار کر دیتے ہیں یا اللہ کے ساتھ کئی کئی خداؤں کو شریک مانتے ہیں، یا دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں یا انسان کو خدا جیسا سمجھتے ہیں، یا خدا کو انسان نما بنا دیتے ہیں اور خدا کے کمالات اور خوبیوں کو انسان کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں اور انسانوں کی خرابیوں اور مجبوریوں کو خدا سے جوڑ دیتے ہیں، اور کچھ لوگ بار بار پیدا ہونے کا عقیدہ اور نظریہ وخیال رکھتے ہیں۔

وہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی بات پر اعتماد و بھروسہ نہیں کرتے؛ حالانکہ پیغمبر، عقلی دلیل اور فطری ثبوت کے ساتھ اللہ کی وحدانیت سمجھاتے تھے، کائنات کی مخلوقات میں اللہ ہی کی اکیلی قدرت سمجھاتے ہیں، مگر دوسرے مذاہب کے پیشوا اور پنڈتوں کے گمان اور عقل پر بغیر علم کے، عقل کے گھوڑے دوڑا کر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرتے ہیں، جو لوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں ان کے پاس اللہ کے نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہوتی، جو لوگ کئی خدا مانتے ہیں ان کے پاس بھی کوئی دلیل اور سند نہیں ہوتی، جو لوگ اللہ کو انسان جیسا یا انسان کو خدا مانتے ہیں ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں ہوتی، جو لوگ خدا کے ساتھ بیوی اور بچے مانتے ہیں، ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں ہے، صرف وہم وگمان اور خیالی نظریات ہیں، جو لوگ بار بار پیدا ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اس کی بھی کوئی دلیل، ثبوت اور سند نہیں ہے، اس طرح کے عقائد سے توحید نہ مان کر دنیا میں شرک کو عام کر دیا گیا۔

اللہ نے دنیا میں ہر شعبہ کے ماہرین، ہر زمانے میں پیدا کئے ہیں، انسان انہی ماہرین سے اپنے اپنے شعبوں کی رہبری حاصل کرتا ہے، اگر کوئی تاجر کسی بھی انسان کو یہ کہہ دے کہ اس کے گردے کام نہیں کر رہے ہیں، دل پھیل گیا ہے، تو کوئی عقلمند اس کی بات صحیح نہیں مانتا، صرف ڈاکٹر کے کہنے پر صحیح مان لیتا ہے، اسی طرح کوئی ڈاکٹر کسی

مشین کے بنانے کے بارے میں مشورہ دے تو اس کی بات کے مقابلے میں انجینئر کی بات مانی جاتی ہے۔

اللہ نے انسانوں کے لئے جس طرح جسمانی ڈاکٹر رکھے ہیں اسی طرح روحانی تربیت اور رہبری کے لئے بھی پیغمبروں کو روحانیت کا ماہر بناتا ہے، ان میں سے روحانیت اللہ کی پہچان اور مرنے کے بعد والی زندگی اور اللہ کی اطاعت وعبادت کے طریقے معلوم ہوسکتے ہیں، پچھلے زمانوں میں لوگ بیماریوں چیچک، ہیضہ، زلزلے، آندھی، طوفان، سورج گہن اور چاند گہن کو دیوی دیوتاؤں کا غصہ اور سزاء سمجھ کر پوجا کرتے اور جانوروں اور انسانوں کو دریاؤں میں بھینٹ چڑھاتے تھے، پیغمبر نے آکر توحید کی مکمل تعلیم دی، صحیح رہبری کی اور سمجھایا کہ اسباب میں جو کچھ اثر آتا ہے وہ اللہ کی طرف سے آتا ہے، تو لوگ بیماریوں کا علاج کروانے لگے، اور زلزلے اور آندھی وطوفان پر بھینٹ چڑھانا چھوڑ دیا، بارش نہ ہونے پر سورج، چاند اور ابر کی پوجا کرتے تھے، ہر وہ چیز جس سے نقصان ہوتا یا جس سے فائدہ ہوتا ہے اس میں خدائی قدرت اور طاقت سمجھتے تھے، پیغمبر نے جب اللہ کی معرفت اور قدرت سمجھائی تو بہت سے انسانوں نے اپنے عقیدے، فکر اور خیالات کو درست کیا، اللہ نے دنیا کو انسانوں اور جنوں کے لئے امتحان کی جگہ بنایا اور دنیا کی زندگی میں انسان کو موت وحیات، صحت و بیماری، عزت و ذلت، دولت وغربت، مصیبت و راحت، کامیابی و ناکامی، شر اور خیر جیسے حالات سے گذرنے والی زندگی دی، ان تمام حالات میں انسان کو ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے، تب ہی وہ ان حالات میں اسی سہارے کے بل بوتے پر کامیاب زندگی گذار سکتا ہے، اللہ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا اور انسانوں پر تمام حالات اسباب کے ذریعہ لاتا ہے، انسان کو منصوبہ بند اور پختہ سہارا پیغمبر کی لائی ہوئی تعلیمات کے ذریعہ ہی مل سکتا ہے، وہ پختہ سہارا عقیدۂ ایمان کہلاتا ہے، اگر عقیدۂ ایمان شعوری نہ ہو، نامکمل اور ناقص ہو یا غلط ہو تو انسان اللہ سے جڑنے کے بجائے مخلوقات سے جڑ جاتا ہے، اس عقیدہ کے ذریعہ جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا جائے گا

انسان مخلوقات سے کٹ کر خالق سے جڑتا جائے گا، پیغمبروں نے انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ سارے اسباب میں خوبی اور کمال اللہ کا ہے، اللہ تعالیٰ کا کمال ان سے ظاہر ہوتا ہے، وہ بذات خود آ کر بارش نہیں برساتا، سورج، چاند، ستارے خود طلوع نہیں کرتا، بغیر ابر کے پانی نہیں برساتا، بغیر درختوں اور پودوں کے پھل، اناج اور ترکاریاں نہیں دیتا، بغیر جانوروں کے دودھ، انڈے اور گوشت نہیں دیتا، ایسی صورت میں انسانوں اور جنوں پر یہ امتحان ہے کہ وہ اسباب کے بیچ میں رہ کر اسباب سے ضرورتیں پوری ہوتی ہوئی دیکھ کر اللہ پر نگاہ رکھے اور اللہ ہی سے بننے اور بگڑنے کا عقیدہ رکھے، اللہ ہی کو سب کچھ کرنے والا مانے، اللہ ہی کو اپنا اصلی اور حقیقی مالک مانے۔

مگر انسانوں نے اپنے پیشواؤں کے ذریعہ بغیر علم کے عقل کے گھوڑے دوڑا کر پیغمبروں کی تعلیم کا انکار کیا اور اسباب کے الگ الگ خدا بنا ڈالے اور ان دیوی دیوتاؤں کو خدا کا درجہ دے دیا اور سمجھا کہ کائنات کے مختلف کام ان کے سپرد کر دئے گئے ہیں، ان کو خوش رکھنے کے لئے ان کی عبادت کرتے ہیں، ان پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، چنانچہ انسان سورج، چاند، زمین، پانی، دریاؤں، پہاڑوں، جانوروں، انسانوں، جنوں، آگ؛ یہاں تک کہ دُکانوں، سواریوں، دولت، اوزار، مشینوں اور انسانی شرمگاہ وغیرہ کی تک پرستش کرنے لگ گئے، اور خدا کو چھوڑ کر انہی سے بننے اور بگڑنے اور پلنے کا تصور قائم کر لیا، پیغمبروں نے انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ اسباب اصل نہیں ہیں، اسباب میں اور اثر اور قوت دینے والا اللہ ہی ہے، اسباب اپنی طرف سے نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

دنیا میں اگر بجلی تیار ہو رہی ہے، ٹیلیفون کام کر رہے ہیں، یا ٹی وی، فیاکس، انٹرنیٹ کا نظام ہے، پانی کے بھاپ میں قوت ہے، پٹرول اور ڈیزل سے گاڑیاں دوڑ رہی ہیں، ہوا میں ہوائی جہاز اُڑ رہے ہیں، پانی میں پانی کے جہاز تیر رہے ہیں، یہ سب اللہ اپنی قدرت سے اسباب کے ذریعہ کر رہا ہے اور انسانی سائنس دانوں کو انسانی ضرورت کے مطابق جس وقت جس علم کی ضرورت ہو دے رہا ہے، دنیا میں اگر سائنس دانوں کو علم نہ

دے، ریسرچ کرنے کے آلات نہ دے، دماغ نہ دے اور علم نہ دے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، یہ سب اللہ کی توفیق اور اس کے دئے ہوئے علم سے ہو رہا ہے، جیسے جیسے انسانوں کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے اللہ علم عطا کر رہا ہے، تا کہ انسانوں کی پرورش میں آسانی ہو، انسان جتنا زیادہ پیغمبروں کی تعلیم کا انکار کرے گا اتنا وہ گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا اور اللہ کو چھوڑ کر مخلوقات کو اصل سمجھے گا، اس کائنات کے نظام کو چلانے کے لئے ایک ایسی ہستی کا ہونا ضروری ہے جو ہر قسم کی قدرت اکیلے رکھتی ہو، وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔

کافر انسان کے ایمان قبول نہ کرنے کے خیالات

سوال:۔ کافر اور دہریہ کا عقیدہ کیا ہوتا ہے؟

جواب:۔ کافر اور دہریہ یہ کہتا ہے کہ اس دنیا کا نہ کوئی بنانے والا ہے اور نہ چلانے والا ہے، یہ دنیا اور اس کی تمام مخلوقات خود بخود بن رہی ہیں اور چل رہی ہیں، اللہ کو جو لوگ مان رہے ہیں وہ جاہل اور بیوقوف ہیں، اگر خدا ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟ اسی وجہ سے وہ ایمان قبول نہیں کرتے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان خدا، جنت، دوزخ اور فرشتے نظر نہ آنے کے باوجود خدا کے خیالوں میں زندگی گذار کر خواہشات سے دور اور ترقی نہیں کرتے، اس پر بعض مسلمانوں نے ان کو یہ جواب دیا کہ آنکھیں بند ہو جانے کے بعد تمہیں سب کچھ نظر آجائے گا، اس پر غیر مسلم نے کہا: مرنے کے بعد نظر آنے سے کیا فائدہ؟ زندگی میں نظر آئے تو ہم دنیا کی زندگی کو سنوار سکتے ہیں، ایمان والے اس طرح جواب دینے کے بجائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری امتی ہونے کے ناطے ان کو عقلی اعتبار سے سمجھانے کی کوشش کریں۔

سوال:۔ کافر اور دہریہ انسان جو اللہ کو نہیں مانتے ان کو کیسے سمجھایا جائے؟

جواب:۔ ان کو سمجھایا جائے کہ دنیا میں انسان کو بہت ساری چیزیں مثلاً ہوا، روح،

بجلی، عقل، بخار، خوشبو، بدبو اور درد وغیرہ نظر نہیں آتے؛ مگر انسان ان تمام چیزوں کو نظر نہ آنے کے باوجود مانتا ہے اور ان کا انکار نہیں کرتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی دنیا کی اس آنکھ سے نظر نہیں آتا، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اس کے ہونے کو ماننا ضروری ہے۔

سوال:۔ جو چیزیں نظر نہیں آتیں ان کو انسان کس طرح پہچانتا ہے اور کیسے مانتا ہے، مثال سے سمجھائیں؟

جواب:۔ عقلمند اور سمجھ دار انسان جو چیزیں نظر نہیں آتیں انہیں ان کو علامتوں اور نشانیوں اور آثار سے پہچانتا اور مانتا ہے۔

انسان کو ہوا پر غور کرنا چاہئے، وہ تو ذات کے اعتبار سے نظر نہیں آتی؛ البتہ اس کی نشانیوں، آثار اور علامات سے انسان مانتا ہے کہ ہوا ہے، اگر اس کو سانس لینے میں آسانی ہوتی ہے، ہوا اس کے جسم کو لگتی اور محسوس ہوتی ہے، درختوں کے پتے ہلتے ہیں، بادلوں کے ساتھ ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، آندھی اور طوفان کے وقت تیز ہوا چل کر درخت اور مکانات گر جاتے اور اُڑ جاتے ہیں، ریگستانوں میں ریت، دھول، گرد اور کچرا اُڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے، دروازے، کھڑکیاں کھل بند ہوتے ہیں تو انسان ہوا کے ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، ہوا باوجود نظر نہ آنے کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔

☆ اسی طرح ہمارے گھروں میں سرکاری پول سے بجلی آتی ہے اور گلی کی اسٹریٹ لائٹ کھلتی ہے، گھروں میں پنکھے چلتے ہیں، ٹیوب لائٹ، فریج، واشنگ مشین، کولر اور اے سی وغیرہ الیکٹرانک چیزیں چلنے لگتی ہیں تو ہم ان تمام آثار اور علامتوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ بجلی موجود ہے، مگر ہم اس کو ذات کی شکل میں دیکھ نہیں سکتے، اس کے باوجود انکار نہیں کرتے۔

☆ اسی طرح ہمارے جسم میں روح ہے، کسی انسان کو بات کرتا ہوا، ہنستا ہوا، چلتا پھرتا ہوا، کام کرتا ہوا دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ انسان زندہ ہے، اور اگر کوئی مرا پڑا ہو، حرکت نہیں کرسکتا، آنکھیں ٹھہر گئی ہوں، منہ کھلا ہو، دل کی دھڑکن رُک گئی ہو تو ان علامتوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ اس کی روح اس کے جسم سے نکل گئی ہے، یہ مردہ ہے، حالانکہ روح کو ہم ذات کے اعتبار سے

نہیں دیکھتے، صرف علامتوں اور آثار سے کہتے ہیں کہ اس انسان میں روح نہیں۔

☆ اسی طرح بخار کا حال ہے، انسان کا جسم پورا گرم ہوجائے اور اس کا ٹمپریچر ۹۹ ڈگری سے بڑھ جائے، جسم کپکپانے لگے تو ہم کہتے ہیں کہ اُسے بخار آ گیا؛ حالانکہ بخار ذات کے اعتبار سے نظر نہیں آتا، صرف آثار سے پہچانتے ہیں کہ بخار آ گیا ہے۔

☆ اسی طرح عقل ہمیں ذات کے اعتبار سے نظر نہیں آتی، کوئی انسان عقلمندی کے کام کرتا ہے، کپڑے پھٹے ہوئے نہ پہنا ہو، کچرا کنڈی کی غلاظت سے دور ہو، اسکول اور مدرسہ جا کر تعلیم حاصل کر رہا ہو اور تجارت و نوکری کر رہا ہو تو ہم کہتے ہیں فلاں آدمی عقل رکھتا ہے، اس کے برعکس کوئی بکواس اور بے معنیٰ اور دیوانہ وار باتیں کر رہا ہو، پھٹے کپڑے پہن کر ننگا پھر رہا ہو تو ہم ان علامات کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ فلاں آدمی پاگل ہے، اس کے پاس عقل نہیں ہے۔

☆ اسی طرح کسی گھر کے کمرے میں آم یا پھولوں کی خوشبو آ رہی ہو، مگر آم یا پھول ہمیں نظر نہ آ رہے ہوں تو صرف خوشبو سے کہتے ہیں کہ یہاں کہیں نہ کہیں آم رکھے ہوئے ہیں، یا اگر چوہا مرا ہوا ہو یا گندگی پڑی ہوئی ہو اور وہ نظر نہ آئے تو صرف بدبو سے پہچان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی چیز مری پڑی ہے جس کی بدبو آ رہی ہے۔

اس لئے ہمیں خود سوچنا چاہئے کہ دنیا میں بہت ساری چیزیں انسان کو نظر نہیں آتیں یا وہ مرنے تک ان کو دیکھ نہیں سکتا اور ان کا انکار نہیں کرتا بلکہ اُنہیں مانتا ہے، اسی طرح اگر اللہ نظر نہیں آ رہا ہے تو اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ یہ عقلمندی نہیں۔

ایک غیر مسلم لڑکی جو تعلیم یافتہ تھی اس نے ایک مسلمان سے سوال کیا کہ مجھے اللہ کی شکل وصورت بتلاؤ؟ مسلمان نے اس سے پوچھا کہ تم بجلی، روح، ہوا اور بخار کی شکل و صورت بتلا کر دکھلا دو؟ جب ان مخلوقات کی صورت وشکل بنانے میں تم مجبور ہو تو میں آپ کو کائنات کے مالک کی شکل وصورت کیسے بتلا سکتا ہوں؛ جبکہ اسے کسی نے دنیا میں دیکھا ہی نہیں ہے، یہ سوال ہی غلط ہے، اللہ مخلوقات کی طرح شکل وصورت والا نہیں۔

اس نے اس دنیا کو امتحان گاہ بنا کر شرط یہ رکھی ہے کہ اُسے بغیر دیکھے اُس کی صفات پر غور کر کے پہچانو اور ایمان لاؤ، اگر وہ نظر آجاتا تو پھر یہ امتحان ہی نہ ہوتا، سب ایک ہی دین پر ہوتے، سب اس کو اکیلا ہی مانتے، اسی کی عبادت کرتے اور سب اسی کے حکموں پر دوڑتے تھے، کوئی برائی اور گناہ نہیں کرتے، نہ پیغمبر کی ضرورت ہوتی، نہ کتابوں کی ضرورت ہوتی، نہ سمجھانے والوں کی ضرورت ہوتی، نہ نیکی اور گناہ کے دو راستے ہوتے، نہ گمراہ کرنے والا شیطان ہوتا، نہ حق و باطل ہوتا، کوئی بھی اللہ کو چھوڑ کر مخلوقات کو خدا کی جگہ نہ دیتا، یہ زندگی فرشتوں کی مانند ہو جاتی، یہ دنیا تو اللہ نے جنوں اور انسانوں کے امتحان کے لئے بنایا، اور یہاں شرط یہ رکھی کہ کون اُسے بغیر دیکھے پہچان کر اُس کی اطاعت کرتا، اس سے ڈرتا اور محبت کرتا اور اس کے پاس جواب دہی کا احساس رکھتا ہے، اور کون اُس سے نڈر بن کر اس کا انکار کرتا ہے؟ اگر خدا نظر آتا تو یہ سب امتحان کی نوبت ہی نہ ہوتی۔

سوال:۔ کیا دنیا کی مخلوقات خود بخود بن رہی ہیں اور چل رہی ہیں؟ اس کو کیسے سمجھا جائے؟

جواب:۔ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں ذرا غور کرو کیا وہ اپنے آپ بن جاتی ہیں اور اپنے آپ کام کرتی رہتی ہیں؟ مثلاً خود انسان کا گھر اور بنگلہ ہوتا ہے، وہ اپنے آپ بن نہیں جاتا، اس گھر کو باقاعدہ کئی سال محنت کر کے بنانا پڑتا ہے، اس میں نل لائٹ، فرش وغیرہ باقاعدہ لگانے پڑتے ہیں، اس کو رنگ کرنا پڑتا ہے، دروازے، کھڑکیاں اپنے آپ بن کر دیواروں میں کھڑے نہیں ہو جاتے، اگر کوئی کہے کہ یہ بنگلہ اور گھر خود بخود بن کر کھڑا ہو گیا تو ہم اس آدمی کو عقلمند نہیں کہتے، معمولی کرسی اور میز اپنے آپ نہیں بنتے بلکہ بنانے سے بنتے ہیں۔

☆ گھروں میں باورچی خانے بنائے جاتے ہیں جہاں انسان اپنی غذائیں تیار کرتا ہے، اگر کوئی کہے کہ چولہا خود بخود جلنے لگے گا اور بغیر گیاس کے شعلہ نکلے گا اور چاول خود بخود دھل کر پانی میں خود بخود مل کر برتن میں خود بخود جا کر چولہے پر چڑھ جائیں گے، ترکاری

بغیر کاٹے خود بخود کٹ کر تیل، مرچ، نمک اور مسالے خود بخود اس میں مل کر چولہے پر آجاتے ہیں اور پکنے کے بعد خود بخود دسترخوان پر اور میز پر بغیر کسی کے نکالے نکل کر آجاتے ہیں اور میز پر خود بخود پلیٹیں، چمچے، کھانا سالن نکل کر آجاتے ہیں؛ تو ایک چھوٹا بچہ بھی اُسے صحیح نہیں مانے گا، اور کہنے والے کو بیوقوف کہے گا، غذائیں سالن سب کچھ بنانے سے بنے گا اور برتن میں نکالنے سے نکلے گا۔

سوال:۔ اللہ کو پہچاننے کی نشانیاوں اور علامتیں کیا کیا ہیں؟

جواب:۔ اللہ کو پہچاننے اور ماننے کے لئے ان مثالوں سے انسان اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ دنیا میں پیدائش کا نظام چل رہا ہے، موت کا نظام چل رہا ہے، پرورش کا نظام چل رہا ہے، تخلیق کا نظام چل رہا ہے، ہر چیز کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی ہدایت مل رہی ہے، جانداروں کو آپس میں محبت مل رہی ہے، ہر چیز کی صورت الگ الگ بن رہی ہے، ہر چیز میں حکمت ہے، ہر میوہ، ترکاریاں، غلہ اور اناج کے موسم الگ الگ ہیں، دن رات کا نظام الگ الگ ہے، اللہ نے مخلوقات کے لئے دنیا بنائی، اس میں سورج، چاند، زمین، ہوا، پانی، درخت، پودے اور پہاڑ وغیرہ سب کچھ بنائے اور پیدا کئے، کیا یہ تمام چیزیں یہ تمام نشانیاں اور علامتیں اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ کوئی بڑی ہستی ہے جو یہ کائنات کی مخلوقات کی تخلیق و پرورش کر رہی ہے، یہ تمام مخلوقات اپنے آپ کیسے پیدا ہو رہی ہیں؟ اور کیسے اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہی ہیں؟ عقلمند آدمی اس کو نہیں مان سکتا، وہ ضرور کہے گا کہ یہ سب چیزیں کسی کے بنانے سے بن رہی ہیں اور اسی کے حکم سے اپنا کام کر رہی ہیں، وہ کہے گا کہ دنیا میں ایک موٹر یا ایک ریل گاڑی اپنے آپ نہیں بن سکتی اور نہ چل سکتی، اُسے انسان بناتا، سگنل پر روکتا، پھر دوڑاتا، اسٹیشن آنے پر وہ خود بخود نہیں رُکتی، ہارن اور سیٹی خود بخود نہیں دیتی تو یہ دنیا اور اس کی مخلوقات کا نظام خود بخود کیسے چلے گا؟ اس کا ایک مالک ہے، وہ اپنی قدرت سے اِسے چلا رہا ہے، ہر چیز اس کی مختلف صفات سے کام کر رہی ہے۔

سوال:۔ بعض لوگ مالک کائنات کے نظر نہ آنے پر اس کی خیالی تصویر بنا لیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ ذرا غور کرو! ہوا نظر نہ آنے پر اگر کوئی ہوا کا تصور قائم کرنے اور ہوا کو سمجھانے قلم کی تصویر اتار کر اُسے ہوا کہے، یا روح کو سمجھانے روح کا تصور ذہن میں بٹھانے کے لئے سائیکل کی فوٹو اتار کر اُسے روح کہے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ یہ تو جھوٹ ہو جائے گا، دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والے نہ ہوا کی فوٹو اتار سکتے ہیں نہ روح کی، نہ عقل کی تصویر اتار سکتے ہیں اور نہ بجلی کی اور نہ ہی بخار کی تصویر اتار سکتے ہیں، اور ان چیزوں کو دیکھے بغیر ان کے آثار اور علامتوں سے ان تمام چیزوں کے ہونے کو اور ان کے وجود کو مانتے ہیں، مگر وہی انسان اپنے پیدا کرنے والے کو دیکھے بغیر اس کا خیالی فوٹو بنا لیتے ہیں، آخر ان کو کس نے بتلایا کہ خدا اس طرح کا ہے؟

اللہ کو انسانوں جیسا ماننے کا خیالی تصور

سوال:۔ بعض لوگ اللہ کو وہم و گمان سے انسان کی طرح سمجھتے ہیں، کیا خدا انسان جیسا ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ ذرا سوچئے! انسان کتنا مجبور محتاج ہے، نو مہینے کے بعد ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، نو مہینے تک ماں کے پیٹ میں گندا خون پی کر زندہ رہتا ہے، دنیا میں آ کر غذائیں کھانے کے بعد بول و براز کرتا ہے، علم نہیں رکھتا، چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتا، ایک زمانے تک دیکھنے سننے بات کرنے، سوچنے سمجھنے سے مجبور رہتا ہے، نفس اور خواہشات رکھتا ہے، غذاء، ہوا اور پانی نہ ملے تو موت کے حوالے ہو جاتا ہے، بیماریوں کا شکار رہتا ہے، بوڑھاپے میں آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرا، زبان سے گونگا، پیروں، ہاتھوں سے معذور ہو جاتا ہے، آخر خدا انسان کی طرح کیسے ہو سکتا ہے؟

انسان کو مختلف اعضاء ملنے ہی سے وہ اپنے کام کر سکتا ہے، خدا اعضاء کا محتاج

کیوں رہے گا؟ اعضاء خود مخلوق ہیں، بھلا خدا مخلوق کا محتاج کیوں رہے گا؟ غدائیں، دوائیں، خون، پانی، ہڈی، گوشت، آنکھ، ناک، کان اور زبان سب مخلوق ہیں، بھلا خدا مخلوق کا محتاج کیوں رہے گا؟

سوال:۔ کیا کسی بھی مخلوق میں اللہ جیسی قدرت اور کمال ہے؟

جواب:۔ کسی بھی مخلوق میں اللہ جیسی قدرت اور کمال رتّی برابر بھی نہیں، یہاں تک کہ پیغمبروں اور فرشتوں میں بھی اللہ جیسی رتّی برابر قدرت نہیں، وہ بھی اللہ ہی کے محتاج اور مجبور ہیں، اللہ جیسا کوئی نہیں۔

سوال:۔ کیا مخلوقات میں اللہ کی تجلی (جلوہ) ہے؟

جواب:۔ مخلوقات میں اللہ کی تجلی نہیں، بلکہ اللہ کی قدرت اور صفات کا اظہار ہے، کسی بھی چیز میں اللہ کی تجلی سمجھنا شرک ہے۔

مشرک انسانوں کے ایمان نہ قبول کرنے کے بہانے

مشرک انسان اس کائنات کے کئی کئی خدا مانتے ہیں یا پھر خدا کے ساتھ اہل وعیال کا تصور رکھتے ہیں یا اوتار کا تصور رکھتے ہیں، یا خیالی فوٹو بنا کر انسانی شکل وصورت کا تصور رکھتے ہیں یا مخلوقات کو بھی خدا جیسا کمالات وخوبی والا سمجھتے ہیں، ان کو سمجھانے کا طریقہ۔

سوال:۔ کیا اللہ کو اولاد اور خاندان نہیں؟

جواب:۔ ہاں! اللہ کو کوئی اولاد نہیں اور نہ اس کا کوئی خاندان ہے، وہ مخلوقات کی طرح نہیں، اولاد اس کو ہوتی ہے جو پیدا ہوتا ہے اور جو پیدا ہوتا ہے اس پر موت آتی ہے، اللہ تو پیدائش وموت سے پاک ہے، وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا، اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا۔

سوال:۔ اولاد کی ضرورت کس کو ہوتی ہے؟

جواب:۔ اولاد کی ضرورت مخلوقات کو ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ پیدا ہوتے ہیں، ان کی عمریں محدود ہوتی ہیں، مرنے سے پہلے ان کو بیوی بچے ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ

اگر ان کو اولاد نہ ہو تو ان کی نسل دنیا سے مٹ جاتی ہے، اللہ کو موت نہیں آتی، اللہ مخلوقات کی طرح موت وحیات والی زندگی سے پاک ہے۔

سوال:۔ اگر اللہ کو اولاد ہوتی تو کیا ہوتا؟

جواب:۔ جب کسی کو اولاد ہو تو اولاد میں ماں باپ کی صفات بھی منتقل ہوتی ہیں، مثلاً انسان کا بچہ روتا، ہنستا، بھوک پیاس محسوس کرتا اور سوتا ہے اسی طرح اگر اللہ کو اولاد ہو تو پھر اولاد میں اللہ کی صفات بھی رہیں گی، اس طرح کائنات میں اولاد پھر ان کی اولاد سے کئی خدا وجود میں آجائیں گے، پھر ان میں ٹکراؤ بھی ہوگا، ہر کوئی کائنات پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا، جس طرح انسان کا بچہ انسان کی طرح طبیعت رکھتا ہے، جانور کا بچہ جانوروں جیسی صفات رکھتا ہے، اسی طرح خدا کا بچہ خدا کی طرح صفات رکھتا۔

سوال:۔ کیا اللہ کو مخلوقات کی طرح جسم نہیں؟

جواب:۔ ہاں! اللہ کو مخلوقات کی طرح جسم نہیں، وہ مخلوقات کی طرح شکل وصورت، اعضاء اور جسم سے پاک ہے، وہ کیسا ہے کسی کو نہیں معلوم، اس کی کوئی خیالی شکل وصورت نہیں بنائی جاسکتی، اگر مخلوقات کی طرح جسم ہو تو پھر اس جسم کو ہوا، پانی، غذاء، اور پھر اعضاء چاہئے، دھات، پتھر، لکڑی، چمڑے یا گیاس کا جسم چاہئے، جبکہ یہ تمام چیزیں مخلوق ہیں، بھلا خدا مخلوق کا محتاج ہو جائے گا، یہ چیزیں نہ ملیں تو مجبور اور محتاج ہو کر مر جائے گا۔

سوال:۔ قرآن وحدیث میں اللہ کا چہرہ، ہاتھ، پنڈلی اور اللہ کے تخت پر مستوی ہونے کا ذکر ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں حروف مقطعات ہیں ان کو انسان ویسے ہی اللہ کے کلام کے الفاظ کے طور پر مانتا ہے اور تلاوت کرتا ہے، ان کے معنیٰ مطلب نہیں معلوم کرتا، بہت سی آیتیں متشبہات ہیں، ان میں اللہ تمثیلی زبان میں بیان کرتا ہے، اسی طرح اگر اللہ کے چہرے، ہاتھ، پنڈلی کا ذکر آئے (تو انسانی اعضاء کا تصور نہ کرے) اور اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر آئے (تو انسانی بادشاہوں کی طرح بیٹھنے کا تصور نہ کرے) اللہ نے

سمجھانے کے لئے یہ بیان فرمایا ہے، اس کی کیفیت انسان نہیں سمجھ سکتا اور نہ تصور میں لاسکتا ہے، بس یہ ایمان رکھے کہ وہ اللہ کی شان کے مطابق ہوں گے، مخلوقات کی طرح نہیں ہیں، ان کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور ہم سمجھ نہیں سکتے۔

اللہ نے کائنات پر اپنے اقتدار اور حکمرانی کا مرکز عرش کو بنایا، اس کیفیت کو ہم نہیں سمجھ سکتے، اس کی کرسی اور عرش کائنات کو گھیرے ہوئے ہے، وہ کرسی انسانی کرسی کی طرح نہیں، اس کو کسی ایک جگہ مقید نہیں کیا جاسکتا، حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا: خدا سے پہلے کون تھا؟ تم کہتے ہو کہ خدا عرش پر مستوی ہے، تو بتاؤ کہ اس وقت وہ عرش پر کس رُخ بیٹھا ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: بتاؤ ایک سے پہلے کیا ہے؟ اور یہ چراغ جو جل رہا ہے اس کی روشنی کس رُخ پر ہے؟

سوال:۔ بہت سے لوگ کائنات کے کئی کئی خدا تصور کرتے ہیں اور ہر مخلوق کے الگ الگ خدا مانتے ہیں، ان کو کیسے سمجھایا جائے؟

جواب:۔ اللہ نے انسان کو جسم عطا فرمایا اور جسم کے تمام اعضاء کا کنٹرول ایک روح سے رکھا ہے، یہ تمام اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ تعلق اور نسبت اور تعاون رکھتے ہیں، مثلاً دل کی حرکت سے خون پورے جسم میں دوڑا تا ہے، دورانِ خون کی وجہ سے ہاتھ پیر اور تمام اعضاء حرکت کرتے ہیں، دانت غذاء کو چبا کر باریک بنا کر بذریعہ زبان معدے میں اتارتے ہیں، معدہ زبان سے حلق سے غذاء حاصل کر کے اس کو ہضم کرنے کے لئے آنتوں میں لے جاتا ہے، وہاں سے جگر غذا کے رس کو لے کر اپنا کام کرتا ہے، گردے جسم کے ناکارہ مادوں کو باہر خارج کرنے کا کام کرتے ہیں، ناک باقاعدہ باہر سے ہوا لے کر پھیپھڑوں میں آکسیجن پہنچاتی ہے، روح کے جسم میں موجود ہونے سے یہ تمام اعضاء کام کرتے ہیں، انسان کے جسم میں ایک ہی روح رکھی گئی ہے، ایسا نہیں کہ آنکھوں کو دیکھنے، کانوں کو سننے، دل کو دھڑکنے، زبان کو بات کرنے، معدہ کو ہاضمہ کا نظام چلانے، گردوں اور دماغ کو اپنا اپنا کام کرنے کے لئے الگ الگ روحیں رکھی گئی ہیں، اگر الگ الگ روحیں

رکھی جاتی تو جسم کا نظام خراب ہوجاتا ہے اور جسم کام نہیں کرسکتا تھا، اس لئے کہ سارے اعضاء کا تعلق ایک دوسرے سے ہے، ناک اپنا کام کرے گی تو پھیپھڑے اپنا کام کریں گے، پھیپھڑے اپنا کام برابر کریں گے تو دل حرکت میں رہے گا، دل حرکت میں رہے گا تو گردے، جگر، معدہ، آنکھ، کان، ناک وغیرہ تمام اعضاء سب حرکت کرتے ہیں۔

اسی طرح دنیا میں اللہ نے سورج، چاند، آسمان، ہوا، پانی، پہاڑ، سمندر سب چیزیں بنایا، یہ تمام چیزیں ایک دوسرے سے ربط رکھتی ہیں، ہوا' سمندروں سے پانی اُڑاتی اور ابر بناتی ہے، ابر آسمان پر اُڑتا ہے اور زمین کے مختلف حصوں پر برستا ہے، زمین پانی کو لے کر پودے اور درخت اُگاتی ہے، پھر پودوں سے غلہ، اناج، ترکاریاں، پھل اور پھول نکلتے ہیں، غلہ، اناج اور پھل جانداروں کی غذائیں ہیں، پھر جانداروں سے دودھ، انڈے اور گوشت انسانوں کو ملتا ہے، اگر ان تمام چیزوں پر ایک مالک کا کنٹرول نہ رہے تو تمام چیزوں میں تعلق اور ربط ختم ہوجائے گا، اور دنیا کا انتظام برباد ہوجائے گا، مخلوقات تباہ و برباد ہوجائیں گی، اگر سورج، چاند، زمین، ہوا، پانی، دریا، سمندر، پہاڑ، انسان اور جنات کے انتظامات کے خدا الگ الگ ہوں اور کوئی خدا کسی سے ناراض ہوکر اپنی مخلوق کو کام کرنے سے روک دے تو سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

انسان خود جب ایک مشین بناتا ہے تو اس کا سارا کنٹرول ایک جگہ ایک ہی ڈرائیور کے پاس رکھتا ہے، مثلاً ایک موٹر میں لائٹ، بریک، رفتار کم زیادہ کرنے، گیر بدلنے، پٹرول دیکھنے، ہارن دینے کے سارے بٹن ایک ڈرائیور ہی کے پاس رہتے ہیں، وہی پوری موٹر کو کنٹرول سے چلاتا ہے، ایسا نہیں کہ ہر پارٹ کے الگ الگ کنٹرول کرنے والے ہوں، اگر ایسا ہوگا تو گاڑی ایکسیڈنٹ کے حوالے ہوجائے گی۔

اسی طرح اگر کائنات میں الگ الگ خدا ہوتے اور ہوا کا خدا' انسانوں سے ناراض ہوجاتا تو ہوا کو روک دیتا اور پانی اڑانے نہیں دیتا، ابر نہیں بنتا، برسات نہیں ہوتی، برسات نہ ہو تو زراعت نہیں ہوتی، پودے اور درخت نہ اگتے، پھل، ترکاریاں، غلہ و اناج

نہ ملتا، جانداروں کو غذاء نہ ملتی، جانداروں کو غذاء نہ ملے، درخت اور پودے نہ ہوں تو سب جاندار موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں، ہر کوئی پیاسا رہتا، کائنات کی تمام مخلوقات ایک دوسرے سے ربط وتعلق رکھتی ہیں، سورج، چاند، ہوا، پانی، درخت، پودے، جانور، زمین سب ایک دوسرے کے ربط وتعاون سے اپنا اپنا کام کر رہے ہیں، ان میں ربط وتعاون رکھنے کے لئے اکیلے ایک مالک کا کنٹرول ضروری ہے، وہ اکیلا کنٹرول رکھنے کی وجہ سے ہر چیز اپنے وقت پر چل رہی ہے۔

اس لئے انسان خود یہ مان سکتا ہے کہ کائنات کا نظام صرف ایک ہی مالک کے کنٹرول میں رہے، ہر چیز اسی کے کنٹرول میں رہنے سے کائنات کی تمام چیزوں کو ان کے اپنے وقت پر ان کی ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں، اس لئے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس کائنات کے کئی خدا نہیں؛ ایک ہی خدا ہے، کسی ملک کے دس دس بادشاہ نہیں ہوتے، اگر ہوں تو وہ ملک چل نہیں سکتا، اگر کائنات کو چلانے کے لئے کئی کئی خداؤں کا راج ہوتا تو ان میں لڑائی جھگڑے ہوتے، گروپ بندی ہوتی، مثلاً سورج، زمین، ہوا، پانی، درخت، جانوروں کے خدا الگ الگ ہوتے، یا انسانوں میں عربوں، انگریزوں، جاپانیوں ہندوستانیوں، افریقیوں کے خدا الگ الگ ہوتے؛ تو ہر علاقہ کا خدا دوسرے علاقے کے انسانوں سے ناراض ہوتا، اس لئے کہ ایک ملک والا خدا دوسرے ملک والے انسانوں کے خدا کو نہ ماننے سے وہ ناراض رہتا، یا سورج والا خدا زمین کی عبادت کرنے والوں سے، یا زمین والا درختوں کی عبادت کرنے والوں سے، اور درختوں والا جانوروں کی عبادت کرنے والوں سے ناراض رہتا، اس لئے کہ وہ سوائے اپنے خدا کے کسی دوسری مخلوق کے خدا کو نہیں مانتے، دنیا میں مخلوقات کی زندگی تباہ ہوجاتی، اس لئے سورج، چاند، زمین، آسمان، ہوا، پانی اور دنیا کی تمام مخلوقات کا اکیلا خدا ہونے کی وجہ سے سورج سب کے لئے نکل رہا ہے، ہوا سب کے لئے سانس کا کام دیتی ہے، پانی سب کے لئے برستا ہے، غذائیں سب کے لئے اُگتیں ہے، زمین سب کے لئے رہنے کی جگہ دیتی ہے۔

سوال:۔ اللہ کو بیوی بچوں کی ضرورت کیوں نہیں؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح نہیں، اس لئے اللہ کو مخلوقات جیسی ضرورتیں نہیں، جس طرح مخلوقات میں جنس ہوتے ہیں اور ان میں نر اور مادہ ہوتے ہیں، لیکن اللہ کی کوئی جنس نہیں، نہ وہ مخلوقات کی طرح ہے، وہ ہر قسم کی حاجتوں سے پاک ہے، اگر کوئی اللہ کے ساتھ بیوی کا عقیدہ رکھے تو پھر اللہ ہی کی جنس والی مادہ لانا ہوگا، جبکہ وہ جنس سے پاک ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کو انسانوں جیسی عورت بیوی بنے؟ نعوذ باللہ کیا انسان اپنی جنس سے ہٹ کر کسی بکری، مرغی، بھینس کو بیوی بنا سکتا ہے؟ مثال سمجھانے کے لئے ہے، تو پھر اللہ کے ساتھ انسان نما بیوی ماننا گمراہی ہوگی، اسی طرح اللہ کو انسانی جنس کا بیٹا کیسے مانا جاسکتا ہے، جبکہ اس کو بیٹے کی ضرورت نہیں، اللہ پر بہت بڑا بہتان ہے، بیٹے کی ضرورت تو اسی کو ہوتی ہے جس پر موت آتی ہے، اللہ موت سے پاک ہے۔

انسان، عقل کے استعمال کے بجائے معجزات کا مطالبہ کرتا ہے

سوال:۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ کو ایمان کی دعوت دی تو انہوں نے ایمان قبول نہ کر کے کیا مطالبات کئے؟

جواب:۔ مشرکین مکہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی دعوت دی تو انہوں نے عقل و فہم استعمال کرنے کے بجائے چمتکار دکھانے اور معجزے بتلانے کا مطالبہ کیا، بغیر مشاہدے کے ایمان لانے سے انکار کیا، مشاہدے کے ذریعہ ایمان لانا کوئی معنیٰ ہی نہیں رکھتا۔

سوال:۔ مشرکین مکہ ایمان قبول کرنے کو نسے معجزوں کا مطالبہ کیا؟

جواب:۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ پر ایمان اس وقت لائیں گے جب آپ:

☆ مکہ کی وادیوں کو سرسبز و شاداب بنادیں اور پہاڑوں کو ہٹا کر باغات اور نہریں جاری کروادیں۔

☆ مروہ پہاڑ کو سونے کا بنادیں یا اپنے لئے ایک شاندار محل بنالیں، سونا چاندی کے

خزانے اپنے ساتھ رکھیں۔

☆ آسمان سے فرشتے کو بلا کر آپ کے پیغمبر ہونے کی گواہی دلوائیں۔

☆ آسمان پر سیڑھی لگا کر ان کے نام ایک خط لائیں۔

☆ یا ہمارے انکار کرنے پر آسمان سے ایک ٹکڑا ان پر گرا کر عذاب لائیں۔

☆ ہمارے دادا قصی بن کلاب کو زندہ کر کے ان سے گواہی دلائیں۔

سوال:۔ رسول اللہ ﷺ نے معجزات کے مطالبہ پر مشرکین کو کیا جواب دیا؟

جواب:۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے مطالبات پر یہ جواب دیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، مجھے ان کاموں کے لئے نہیں بھیجا گیا، میں تو اللہ کا پیغام لے کر تم کو گمراہی سے نکالنے کی محنت کر رہا ہوں، اگر تم نہ مانتے ہو تو نہ مانو، اب انتظار کرو اور میں بھی صبر کروں گا اللہ کا فیصلہ آنے تک۔

سوال:۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے معجزے مانگنے پر کیا کہا؟

جواب:۔ ان کے معجزے مانگنے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب کام اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں، وہ تو ہر چیز پر ہر اعتبار سے قادر ہے، اگر تم میرے پیغمبر سے ایمان لانے کی دعوت پر معجزے مانگ رہے ہو تو کائنات کی چیزوں میں غور و فکر کرو، آسمان و زمین کی بناوٹ میں غور و فکر کرو، رات اور دن کے آنے جانے میں غور کرو، عقل رکھنے والوں کے لئے دنیا کی تمام چیزوں اور تمہارے اطراف رات دن معجزے بہت نظر آئیں گے، ذرا عقل استعمال کرو، آنکھیں کھول کر دیکھو، ذرا غور کرو۔

کائنات کی مخلوقات میں بڑے بڑے معجزے نظر آئیں گے، مثلاً مردہ (انڈے) سے زندہ کو نکالنا، زمین سے پانی اُڑا کر آسمان پر لے جانا اور پھر جہاں چاہے اُسے برسا دینا، کھارے پانی کو میٹھا بنا کر برسانا، مردہ بیج سے طرح طرح کے پودے اور درخت نکالنا، پھر ان درختوں سے مختلف قسم کا غلہ، اناج، ترکاریاں اور پھل نکالنا، ہر چیز کے رنگ اور مزے الگ الگ رکھنا، زمین کو تمہارے لئے فرش اور رہنے کی جگہ بنانا، سورج اور چاند کا

اپنے اپنے مدار پر تیرتے رہنا، ان کا وقت پر طلوع وغروب ہونا، جانوروں میں مختلف شکل و صورت اور صفات کے جانور پیدا کرنا اور بعض جانوروں کو تمہارے تابع کر کے کاموں میں لگا دینا اور سمندروں میں تمہاری کشتیوں کو سنبھال کر رکھنا، ماں کے پیٹ کی تین اندھیریوں میں جانداروں کی تخلیق کرنا، ہر چیز کا جوڑا جوڑا پیدا کرنا، مخلوقات کی تھکان دور کرنے کے لئے نیند عطا کرنا، لوہے کو تمہارے لئے نرم کر دینا، جانوروں کے گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ نکالنا، سمندروں سے تازہ گوشت اور قیمتی موتی نکالنا، ہرے درخت کی لکڑی سے آگ نکالنا، اگر تم عقل کا صحیح استعمال کرو، اپنی آنکھوں پر سے تعصب اور ہٹ دھرمی کا پردہ ہٹالو اور باپ دادا کی اندھی تقلید نہ کرو تو کائنات کی چیزوں میں خود اللہ کے بڑے بڑے معجزے اور نشانیاں تمہیں ہر روز اور ہر وقت نظر آئیں گی، اور تم آسانی سے شرک سے توبہ کر کے ایک اللہ پر ایمان لاسکو گے، جن معجزات کا تم مطالبہ کر رہے ہو تو وہ کوئی بڑی چیز نہیں، ان تمام کاموں کے مقابلے وہ معمولی کام ہیں، وہ سب اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں، انسان کی فطرت ہے کہ وہ نعمتوں کے ملنے پر احسان مند ہو جاتا ہے۔

سوال:۔ کیا مشرکین کو ایمان لانے کے لئے اللہ نے اپنی نعمتوں پر غور و فکر کرنے کی بھی دعوت دی ہے؟

جواب:۔ ہاں! اللہ نے سورۂ رحمٰن میں باقاعدہ انسانوں اور جنوں کو اپنی نعمتوں پر غور وفکر کرنے کی مختصر تعلیم دی تاکہ وہ اللہ کے احسانات کو سمجھ کر ایمان لائیں اور ان نعمتوں کا شکر ادا کریں، اللہ کی نعمتیں تمام مخلوقات پر چھائی ہوئی ہیں، ان پر اگر انسان غور کرے گا تو آسانی سے شرک سے توبہ کر کے ایمان لاسکتا ہے، مگر مشرک انسان اللہ کی نعمتیں استعمال کرنے کے باوجود غفلت میں رہتے ہیں، کبھی نعمتوں پر غور وفکر نہیں کرتے، نعمتوں کا احساس کروانا ایمان والوں کا کام ہے۔

سوال:۔ اللہ نے کس قوم کو اپنی نعمتوں کا زیادہ احساس دلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے؟

جواب:۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو اپنی بعض نعمتوں پر ان کی ناشکری کا احساس دلا کر اطاعت کی دعوت دی، کہ فرعون ان کے مرد بچوں کو قتل کرتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا، فرعون کے ظلم سے آزاد کرنے اس کو عذاب سے غرق کر دیا، سیناء کے میدان میں من وسلویٰ جیسی پاکیزہ اور لباس کے میلا نہ ہونے اور ابر کے سایہ میں دھوپ سے محفوظ رہنے اور ایک ہی چٹان سے پانی کے بارہ چشمے نکالنے اور بنی اسرائیل کو ساری دنیا کی امامت وفضیلت عطا کرنے، بیت المقدس کو ان کا قبلہ بنانے اور صراط مستقیم پر چلانے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو کتاب عطا کرنے، طالوت جیسے طاقتور اور سمجھدار انسان کو بادشاہ بنانے اور وہ صندوق جس میں آل موسیٰ اور آلِ ہارون کے تبرکات تھے واپس دلانے کی اپنی نعمتوں کا تذکرہ کیا، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھیجے، اور ان کو آخری پیغمبر کی نسبت سے دعائیں کرنے کا احساس دلایا۔

سوال:۔ معجزات دکھانے کے بعد اگر ایمان نہ لائیں تو کیا انجام ہوتا ہے؟

جواب:۔ اللہ نے ان کو احساس دلایا کہ معجزات دکھانے کے بعد اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان کا حال قومِ نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم صالح، فرعون اور اس کی قوم کا ہوگا اور عذابات میں دھر لئے جائیں گے، مشرکین مکہ کو سمجھایا گیا کہ حضرت صالحؑ کی دعاء پر پہاڑ سے اونٹنی نکالی گئی تو بہت کم لوگ ایمان لائے، اُلٹا ان کی قوم نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا جس کی وجہ سے انہیں تین دن عذاب دکھا کر ہلاک کر دیا گیا، فرعون بار بار معجزے دیکھنے کے باوجود اور عذابات آنے پر عذابات کو ہٹانے پر ایمان لانے کا وعدہ کیا اور ہٹا دینے کے بعد انکار کرتا رہا اور اس نافرمانی اور بغاوت پر اس کو اس کی ماننے والی قوم کے ساتھ سمندر میں غرق کر کے ختم کر دیا گیا، عاد وثمود کو ہواؤں کے ذریعہ اٹھا اٹھا کر پٹک کر ختم کر دیا گیا، حضرت نوحؑ کی قوم پر پانی کا عذاب لا کر انہیں ڈبو دیا گیا، حضرت صالحؑ کی قوم کو پتھروں کی بارش سے تباہ کر دیا، مشرکین مکہ نے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کی شرط رکھی تھی، شق القمر ہونے کے باوجود انہوں نے کہا کہ ہماری آنکھیں دھوکہ کھا رہی ہیں یا پھر محمد (ﷺ) کا جادو

زمین کے علاوہ آسمان پر بھی چل رہا ہے، جنگ بدر میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

سوال:۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لئے کیا شرط رکھی ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کے لئے ایمان لانے کی شرط یہ رکھی ہے کہ وہ اللہ، فرشتوں، قبر اور اس کے حالات، آخرت اور اس کے حالات، جنت اور اس کی نعمتوں اور دوزخ اور اس کے عذابات کو دیکھے بغیر ان سب پر ایمان بالغیب لائے، اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ مشاہدے کے بعد انسان ایمان لائے، یہ تمام چیزیں دیکھ کر ایمان لانا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا اور نہ ایمان کہلاتا ہے۔

فرعون سمندر میں ڈوبتے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھ چکا تھا اور ایمان لانے کا اقرار کیا، اس کے اس وقت ایمان لانے کو قبول نہیں کیا گیا، اس لئے کہ غیب کے حالات کو دیکھ کر ایمان لانا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، اور مشاہدے کے بعد کسی سے ایمان کا مطالبہ کرنا عقلمندی بھی نہیں، اگر انسان فرشتوں کو دیکھ کر یا مردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھ کر یا عذابات کے آنے کے بعد یا قبر کے عذابات کو دیکھ کر ایمان لائے تو وہ ایمان ایمان نہیں کہلاتا، وہ ایمان معتبر نہیں، انسان کے لئے کمال کی بات تو یہ ہے کہ وہ غیب کو دیکھے بغیر پیغمبر کی بات پر اعتماد اور بھروسہ کر کے ایمان لائے۔

اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ بندہ معجزات دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے کائنات کی چیزوں میں اللہ کی قدرت کے کمالات اور نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لائیں اور یہی ایمان ایمان بالغیب کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ بعض حالات میں پیغمبر کی مدد اور سچائی کا یقین پیدا کرنے کے لئے بغیر کسی خواہش اور مطالبے کے غیر متوقع طور پر معجزات ظاہر فرما دیتا ہے، وہ کسی کے تصور میں نہیں ہوتا، خود پیغمبر بھی اپنی طرف سے معجزہ دکھا نہیں سکتے، اسی طرح ولیوں اور بزرگوں کے ذریعہ کرامات ظاہر کرتا ہے۔

سوال:۔ موجودہ زمانہ میں کرامات کا ظاہر ہونا نظر نہیں آتا؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو سائنس کی ترقی کے ذریعہ اپنی قدرت کی بہت

ساری نشانیاں ظاہر فرما رہا ہے اور اللہ کی قدرت کو سمجھنا انسانوں کے لئے آسان ہوگیا ہے، شاید اس لئے کرامات نظر نہیں آرہی ہیں، واللہ اعلم۔

توحید اور شرک کے ساتھ عبادت کرنے کا پیشکش

سوال:۔ مشرکین مکہ نے ایمان قبول کرنے کے لئے کس قسم کی عبادت کی پیشکش کی تھی؟

جواب:۔ مشرکین مکہ نے ایمان قبول کرنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کو ایمان کی دعوت سے روکنے اور رسالت کا کام بند کرنے کے لئے یہ پیشکش کی کہ ایک سال وہ اللہ کے عبادت کریں گے اور ایک سال مسلمان ان کے دیوی دیوتا کی پرستش کریں، اس سے ان میں اختلاف ختم ہوکر یکسانیت پیدا ہوجائے گی اور قوم میں تفرقہ پیدا نہیں ہوگا، گویا تم ہمارا رنگ اختیار کرلو اور ہم تمہارا رنگ اختیار کرلیتے ہیں، کچھ وقت کے لئے ہم توحید پر رہیں گے اور کچھ وقت کے لئے تم شرک پر رہو۔

سوال:۔ اللہ نے مشرکین مکہ کی اس پیشکش پر پیغمبر سے کیا جواب دِلوایا؟

جواب:۔ مشرکین کی اس پیشکش پر فوراً قُلْ یا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ کی سورۃ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی زبانی یہ اعلان کروایا کہ نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت اب کرتا ہوں اور نہ آئندہ کبھی کروں گا اور تم بھی اللہ کی عبادت کرنے والے نہیں ہو، ہم اللہ کو چھوڑ کر توحید سے منہ موڑ کر کسی اور کی پرستش نہیں کریں گے۔

سوال:۔ سورۃ الکافرون سے قیامت تک کے مسلمانوں کو کیا سبق دیا گیا؟

جواب:۔ اس سورۃ سے ایمان والوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ دنیا میں امن وانصاف لوگوں کی مدد، دُکھ درد، بیماریوں اور مصیبتوں کے دور کرنے میں بھلائی کے تمام کاموں میں ساتھ دے سکتے ہیں، مگر ایمان کا کبھی سودا نہیں کرسکتے، کبھی آدھے مسلم اور آدھے غیر مسلم بن کر زندہ نہیں رہ سکتے، کبھی بھی ایمان کے ساتھ شرک کو نہیں ملا سکتے، کبھی اپنا سر

غیر اللہ کے سامنے جھکا نہیں سکتے، مرتے دم تک خالص ایمان کے ساتھ زندہ رہیں گے، اللہ سے ہٹ کر کسی کی عبادت واطاعت نہیں کر سکتے۔

مگر اکثر مسلمان اس سورۃ کو نہ سمجھنے اور ایمان کی کمزوری کی وجہ سے اسلامی طرز زندگی اختیار کرنے کے بجائے عقائد واعمال میں پوری طرح غیر مسلموں کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور مشرکانہ عقائد واعمال کے ساتھ اسلام پر چلنے کا تصور رکھتے ہیں، اللہ کے بجائے قبروں سے مدد اور دعاء مانگتے ہیں، ان پر سجدے اور طواف کرتے ہیں، اللہ سے بڑھ کر ولیوں کی بڑائی بیان کرتے ہیں، عبادت میں کسی بت کی پوجا تو نہیں کرتے لیکن عقائد واعمال میں مسلمان ہوتے ہوئے شرک کرتے ہیں۔

سوال:۔ مشرکین مصیبت و پریشانی میں کس کو پکارتے اور اچھے ہونے پر کس کا شکر ادا کرتے ہیں؟

جواب:۔ مشرکین عرب زمانے جاہلیت ہی سے اللہ تعالی کو اللہ ہی کے نام سے یاد کرتے تھے اور انہوں نے باوجود ۳۶۰ ربت کعبۃ اللہ میں رکھنے کے کعبۃ اللہ کو بیت الٰہۃ نہیں بلکہ بیت اللہ کہتے تھے، ابرہہ نے جب مکہ پر حملہ کرنا چاہا تو سارے مشرکین نے تمام باطل معبودوں کو چھوڑ کر اللہ ہی کو پکارا، قرآن نے ان کے اقرار کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا کہ انہیں کس نے پیدا کیا؟ آسمان وزمین کس نے بنایا؟ چاند وسورج پر قدرت کس کو ہے؟ پانی کون برساتا ہے؟ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا۔

پھر قرآن نے ان کی کیفیت یہ بھی بیان کی کہ جب وہ آندھی طوفان میں گھر جاتے، سمندروں کی موجوں میں پھنس جاتے یا بیماری اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتے تو اپنے سارے باطل معبودوں سے منہ موڑ کر صرف خالص اللہ واحد کو ہی پکارتے، بیماری یا مصیبت سے صحت یاب ہوتے تو بتوں کا شکر ادا کرتے، مگر جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالص اللہ واحد کی عبادت کی دعوت دے رہے تھے اور اللہ ہی کو اکیلا مالک، رب اور

حاکم ماننے کی تعلیم دے رہے تھے تو انہوں نے ایمان کا انکار کیا اور مختلف سوالات کرتے۔

سوال:۔ مشرکین اللہ کے بارے میں کیا سوالات کرتے تھے؟

جواب:۔ ایمان قبول نہ کر کے یہ سوالات کرنا شروع کیا کہ اللہ کی جنس کیا ہے؟ وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ اس کا خاندان کیا ہے؟ اس کو کائنات پر اقتدار کس نے دیا؟ اس کا وارث کون ہے؟

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاخلاص میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی چند جملوں میں جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح نہیں، وہ احد ہے، اس جیسا کوئی نہیں، وہ احد اور واحد ہے اور وہی صمد ہے، اس کا کوئی باپ ہے نہ بیٹا، وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا اور نہ اس نے کسی کو جنا۔

ہر زمانے کے مشرکین اللہ کو مخلوقات کی طرح سمجھتے رہے، ان کے ذہن وگمان میں یہ بات رہتی کہ جس طرح کائنات کی مخلوقات میں کوئی دھات کا بنا ہوا ہے، کوئی پتھر کا بنا ہوا ہے، کوئی چمڑے کے جسم والا ہے، کوئی گیاس اور نور کے جسم والا ہے، کوئی لکڑی کا بنا ہوا ہے، اسی طرح اللہ کی بھی مخلوق کی طرح کوئی جنس ہوگی، وہ خاندان وقبیلہ، وہ بیوی، بیٹا اور بیٹی والا ہوگا، اس کو کائنات کا اقتدار کسی نے دیا ہوگا، وہ بھی کسی کا وارث ہوگا، اور اس کا بھی کوئی وارث ہونا ضروری ہے۔

اللہ نے سورۃ الاخلاص میں کھلے طور پر جواب دیا کہ وہ واحد ہی نہیں بلکہ احد ہے، احد اس ذات کو کہتے ہیں جس کی کوئی مثل ومثال نہ ہو، جو نہ مرکب ہو اور نہ مجموعہ ہو اور نہ کسی جنس والا ہو، نہ کوئی چیز اس سے مخلوقات کی طرح پیدا ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز اس میں داخل ہوسکتی ہے، وہ احد ہونے کے ناطے اول بھی وہی ہے اور وہی آخر بھی ہے، اس کا کوئی وارث نہیں، وہ مخلوقات کی طرح مٹی، دھات، چمڑے یا لکڑی یا پتھر جیسی جسمانیت سے پاک ہے، اس کی حیات مخلوقات کی طرح نہیں، وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا، وہ صمد ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں، ہر مخلوق اس کی محتاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں، ہر کوئی اسی سے

پناہ، مدد اور سہارے کے لئے آتا اور مانگتا ہے، وہ بے نیاز ہے، اس کو کسی قسم کی کوئی مجبوری اور حاجت نہیں، وہ سب عیبوں محتاجیوں اور مجبوریوں سے پاک ہے۔

سوال:۔ عیسائی کہتے ہیں کہ مسلمان خود حضرت عیسیٰؑ کو عیسیٰ روح اللہ کہتے ہیں، پھر وہ ان کو خدا کا درجہ کیوں نہیں دیتے؟

جواب:۔ روح ایک مخلوق ہے اور وہ اللہ کے حکم سے انسان میں پھونکی جاتی ہے، اور اسی کے حکم سے فرشتے اُسے نکالتے ہیں، نافرمان اور باغی و مشرک کی روح کو بے عزتی اور تکلیف سے نکالتے ہیں اور گندے و بدبودار کپڑے میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں، روح کا مالک اللہ ہے، وہ اگر یہ کہے کہ اللہ نے اپنی روح عیسیٰؑ میں پھونکی تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ مالک ہونے کے ناطے اپنی ملکیت عیسیٰؑ میں ڈالی، اللہ کا کوئی جزو یا کوئی حصہ کسی میں نہیں آتا اور نہ اللہ میں داخل ہوتا ہے، اگر اللہ کا جزو یا حصہ کسی میں آجائے تو وہ اللہ جیسا ہو جائے گا اور الوہیت باقی نہیں رہے گی، پھر اللہ کے بھی حصے بن جائیں گے، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخلوق ہیں، ان میں کوئی اللہ کا جزو و حصہ نہیں ہے، ان پر بھی موت آئے گی اور ان کی روح نکالی جائے گی، عیسیٰ روح اللہ یعنی عیسیٰؑ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں، جن کو بغیر باپ کے اور فطرت کے خلاف پیدا کیا گیا، اور یہ اللہ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے۔

سوال:۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات دیکھ کر بعد کے زمانوں میں ان کے ساتھ کیا عقیدہ بنالیا گیا؟ اور کیسے ایمان سے دور ہو گئے؟

جواب:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے مردے کو زندہ کر کے بات کرنے اور بیمار کوڑھی پر ہاتھ پھیرنے سے اچھا ہو جانے اور مٹی کے پرندوں میں اللہ کا نام لیکر پھونک مارنے سے زندہ ہو کر اُڑ جانے اور گمشدہ چیز کا پتہ بتانے کے معجزات عطا فرمائے تھے، اور بغیر باپ کے پیدا کیا تو بعد کے زمانوں میں لوگوں نے ان کو اللہ کے ساتھ شریک کر کے اللہ کا جزو اور بیٹا بنا دیا اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرنے لگے، یہی حال ہر زمانے میں

گمراہ لوگوں نے بزرگوں کی کرامات کو دیکھ کران کو اللہ کی قدرت میں اختیار رکھنے والا سمجھ کران کی قبروں پر سجدہ اوران کا طواف کرتے، ان سے دعائیں، منتیں اور مرادیں مانگتے اوران کو خوش رکھنے کے لئے چڑھاوے چڑھانا شروع کر دیا۔

سوال:۔ مشرکین ایمان کے مقابلے میں کن چیزوں کو عزیز رکھتے تھے؟

جواب:۔ مشرکین ایمان کے مقابلے دنیا کی محبت، سرداری، دولت مندی، ماں باپ کی اندھی تقلید، جاہلانہ رسموں، اقتدار اور کرسی کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے، غلاموں اور نوکروں کے ساتھ بیٹھنے، غریب، مفلس انسان سے علم سیکھنے اور غریب انسان کی ماتحتی اختیار کرنے کو بہت بڑی بے عزتی سمجھتے تھے، ضمیر کے خلاف عقل کو غلط راستے پر چلا کر نفسانی خواہشات والی زندگی کو عزیز رکھتے تھے۔

ہر زمانے میں یہ چیزیں انسانوں کو ایمان قبول کرنے میں رُکاوٹ بنی رہیں، ابوجہل، ابولہب، عتبہ بن ربیعہ وغیرہ اسی وجہ سے ایمان نہیں لائے، ابوطالب بھی لوگوں کے طعنے اور سرداری کے زعم میں ایمان نہیں لائے۔

سوال:۔ کیا مشرکین مکہ اللہ کو نہیں مانتے تھے؟ پھر انہوں نے شرک کیوں کیا؟ موجودہ زمانے کے بعض مسلمانوں کا حال ان کی طرح کیوں ہے؟

جواب:۔ مشرکین مکہ اللہ کا انکار نہیں کرتے تھے، وہ اللہ کو سب سے بڑا مانتے تھے، دن رات کا نظام برسات کا نظام، سب کچھ اللہ سے ہونے کا اقرار کرتے تھے اور کعبۃ اللہ کو بیت اللہ بھی کہتے تھے، لیکن وہ دیوی دیوتاؤں کو اور فرشتوں کو اللہ کے ساتھ شریک کر کے ان کو اللہ کی طرف سے اختیار ملنے کا عقیدہ رکھتے تھے اور کہتے کہ ان کے ذریعہ ہی ہم اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہیں، وہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کروانے والے ہیں کہتے، ان کا عقیدہ تھا کہ (نعوذ باللہ) اللہ اکیلا ساری کائنات کا انتظام نہیں کرسکتا، اللہ نے اولاد دینے، صحت دینے، نفع ونقصان دینے، کامیابی وناکامی دینے، موت وحیات دینے کے مختلف کام مختلف دیوی دیوتاؤں میں بانٹ دیا ہے، ان ہی کے ذریعہ ہمیں سب کچھ ملتا ہے، لہٰذا ان کو

خوش کرنے ان کی پرستش کرتے اوران پر چڑھاوے چڑھاتے، انہی سے منتیں اور مرادیں مانگتے تھے، وہ اللہ کو شرک کے ساتھ مانتے تھے، انہوں نے ہر کام کے لئے حرم میں ۳۶۰ر بت رکھ دئے تھے، وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے اوران کی خیالی مورتیاں بناتے، اور دیوی دیوتا سمجھ کران کے واسطے اور وسیلے سے اللہ کے پاس جانے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اسی طرح کے شرک میں گرفتار ہے، وہ اللہ کو تو ضرور مانتے ہیں اور بڑا مانتے ہیں، اللہ اکبر کہتے ہیں، لیکن اولاد، صحت، نوکری، تجارت، کامیابی و ناکامی کے لئے ولیوں کو اختیار والا سمجھ کران سے منت و مراد، دعائیں مانگتے ہیں، ان کی مزاروں کو سجدہ اوران کا طواف وغیرہ سب کچھ کرتے ہیں۔

سوال:۔ مشرکین کا ایمان قبول نہ کر کے پیغمبر کے متعلق کیا خیال تھا؟

جواب:۔ ہر زمانہ میں لوگ پیغمبر کو انسان دیکھ کر، اہل وعیال والا دیکھ کر، محنت ومزدوری اور تجارت کرنے والا دیکھ کر، غریب ومفلس دیکھ کر، اثر ورسوخ نہ رکھنے والا دیکھ کر، بازاروں میں چلتا پھرتا دیکھ کر، اپنی طرح کھانے پینے والا دیکھ کر، پیغمبر ماننے اوران پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے، ہمیشہ پیغمبر کا مافوق الفطرت بشر ہونا تصور کرتے اور کہتے کہ یہ جب اللہ کا نمائندہ اور پیغمبر ہے تو ان کے ساتھ غیبی طاقت ہونا چاہئے، ان کو ستانے اور مارنے والوں کو روکنے کے لئے عذاب کا کوڑا برسنا یا کوئی نقصان ہونا چاہئے، اگر یہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں تو بیوی بچوں کی کیا ضرورت؟ کھانے پینے کی کیوں حاجت؟ بازار اور تجارت کرنے کی کیا ضرورت؟ غیب سے ان کی مدد ہوتی رہے، ہر زمانہ میں انسان ولی اور پیغمبروں کے متعلق یہی عقیدہ رکھا کہ اللہ والے ہوش وحواس نہیں رکھتے، کھانے پینے کی پرواہ نہیں کرتے، کپڑوں کا خیال نہیں رکھتے بلکہ دنیا کے کاموں سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔

حالانکہ پیغمبر انسانوں کو ان کی جہالت اور بیوقوفی اور باپ دادا کے رسم ورواج کی اندھی تقلید سے روکتے اور گمراہی کا احساس دلاتے، بتوں کی حقیقت اوران کی بے ثباتی سمجھاتے، اخلاق رذیلہ کی جگہ اخلاق حسنہ سکھاتے، عریانیت و بے حیائی، قتل وخون،

شراب، جوا، ناانصافی، بے ایمانی اور خیانت سے منع کرتے، مساوات انسانی سکھاتے، وہ تمام انسانوں میں سب سے اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوتے، پھر بھی بیوقوف لوگ ان کی عمدہ تعلیم کو قبول نہ کر کے چمتکار دکھانے والے اور غیب کی باتیں بتانے والے کو اللہ تک پہنچا ہوا انسان سمجھتے تھے۔

سوال:۔ اللہ نے آدمؑ کی تخلیق کے واقعہ میں شیطان کا تذکرہ کر کے مشرکین مکہ کو کیا بات سمجھائی؟

جواب:۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کو دعوتِ ایمان دی اور انہوں نے یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا پیغمبر ماننے سے انکار کیا کہ: کیا اللہ کو ایسا ہی شخص ملا جو نہ اقتدار رکھتا ہے، نہ دولت مند ہے، نہ قوم کا سردار ہے، غریب و نادار، جس نے بکریاں چرا کر اور ہمارا مال لے کر بازار میں تجارت کر کے زندگی گذاری، جس کے اطراف ہمارے غلام اور نوکر جیسے کمزور لوگ جمع رہتے ہیں، جن کے پاس کوئی طاقت وقوت نہیں، ہمارے تکلیف دینے اور ستانے اور بے عزتی کرنے کا جواب نہ محمد (رسول اللہ ﷺ) دے سکتے اور نہ ان کے ساتھی دے سکتے ہیں، ان کو ستانے پر آسمان سے ہم پر کوئی عذاب بھی نازل نہیں ہوتا، ہم میں بڑے بڑے سردار، دولت مند، طاقتور اور لوگوں پر اقتدار رکھنے والے، جن کے تحت کئی کئی غلام اور باندیاں موجود ہیں، جو لوگوں میں مقام و مرتبہ رکھتے ہیں، جن کی لوگ عزت کرتے ہیں، ان کا رعب و دبدبہ سارے معاشرے پر ہے، جن کو لوگ معزز اور اونچے مقام و مرتبہ والا سمجھتے ہیں ایسے انسانوں کو چھوڑ کر یہ حقیر اور معمولی و کمزور انسان، جس کی باتوں سے ہمارے کم عقل غلام و نوکر متاثر ہو رہے ہیں، اللہ کو پیغمبر بنانے کے قابل نظر آیا، کیا اللہ کو ان کے علاوہ کوئی بااثر انسان نظر نہیں آیا؟ یہ کہہ کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ماننے سے انکار کر دیا اور ایمان قبول نہ کیا۔

اللہ نے مشرکین کی اس طرح سوچ اور عمل پر ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے قصے میں شیطان کی حرکت کو پیش کر کے یہ بتلایا کہ اے مشرکین مکہ! تمہارا حال بھی

شیطان مردود کی طرح ہے، جس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے، ان کا احترام بجالانے، ان کی تابعداری اختیار کرنے، ان کو سلامی دینے سے یہ کہہ کر انکار کیا تھا کہ اے اللہ! آپ نے اس کو حقیر کیچڑ کی سوکھی ہوئی مٹی سے بنایا اور مجھے آگ سے پیدا کیا، پھر سجدے کا حکم دے کر اس معمولی مٹی کے انسان کو مجھ پر فضیلت دی، اور وہ زبردستی اپنے آپ کو بزرگ، بڑا عزت دار سمجھ کر گھمنڈ و غرور میں مبتلا ہو کر کہا کہ: میں بڑا اور عزت دار اور بزرگ ہوں، آدم حقیر مٹی کا ہے، اس لئے میں اس سے افضل ہو کر اس کو سجدہ نہیں کر سکتا، تو نے اس کو مجھ پر کیوں فضیلت دی؟ وہ فضیلت کے قابل نہیں، میں بتلاؤں گا کہ اس کی اولاد تیری ناشکر گذار ہوگی۔

بالکل اسی طرح مشرکین مکہ نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو سرداری اور دولت و اقتدار کے گھمنڈ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے کمتر سمجھ کر ایمان قبول کرنے سے انکار کیا اور زبردستی اپنی خیالی بڑائی، گھمنڈ اور تکبر میں مبتلا ہو کر حق کا انکار کیا۔

یہی حال یہود کا بھی تھا، انہوں نے اپنے آپ کو اہل علم اور اللہ کے چہیتے سمجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنو اسماعیل میں پیدا ہونے پر اُمّی قوم کے نبی کو نبی ماننے سے انکار کر کے ایمان سے دور رہے۔

سوال:۔ مشرکین کے ایمان قبول نہ کرنے میں آخرت کے بارے کیا خیال تھا؟

جواب:۔ مشرکین کے ایمان قبول نہ کرنے کی وجوہات میں ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر حساب دینے کا عقیدہ سمجھ میں نہیں آتا تھا، وہ یہ خیال کرتے تھے کہ مرنے کے بعد انسان دفن کر دیا جاتا ہے، اس کا جسم مٹی میں مل کر بورا بورا ہو جاتا ہے، ہڈیاں گل جاتی ہیں، پھر وہ ہزاروں سال بعد جسم اور روح کے ساتھ کیسے زندہ کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ انسان کے پیدا ہونے کا طریقہ الگ ہے؟ پھر اس کی زندگی کے ایک ایک لمحہ کا حساب کیسے لیا جا سکتا ہے؟ ہر زمانے میں غیر مسلموں کو ایمان قبول کرنے

میں یہی باتیں یعنی آخرت کے یقین کرنے میں رُکاوٹ بنی، اس لئے انہوں نے ایمان کا انکار کیا اور آخرت سے غافل بنے رہے۔

سوال:۔ قرآن نے ان کے آخرت کے انکار پر کیا جواب دیا؟

جواب:۔ قرآن نے ان کو سمجھایا کہ تم اپنی پیدائش پر غور کرو، جبکہ تمہارا کوئی ذکر تک نہیں تھا، ہم نے تم کو اچھلتے کودتے پانی کے ناپاک خطرہ سے وجود دیا، ہم تو خلاّق ہیں، ہر چیز کے خالق ہیں، کسی بھی چیز کو وجود میں لانا چاہیں تو ''کن'' سے وجود میں آجاتی ہے، زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکالتے ہیں، تم ہماری تخلیق پر شک مت کرو، یہ سوال ہم سے مت کرو، تم ہر طرح سے مجبور ومحتاج ہو، ناقص عقل سے نہیں سمجھ سکتے، تم کو دوبارہ زندہ کرنا ہمارے لئے مشکل نہیں، پہلے تمہارا ذکر ہی نہیں تھا، اللہ نے پانی کے قطرے سے حیات دے کر وجود دیا، پھر موت دے گا، پھر زندہ کرے گا اس کے لئے مشکل نہیں۔

سوال:۔ مشرکین کے ایمان قبول نہ کرنے میں قرآن مجید کے متعلق ان کا کیا خیال تھا؟

جواب:۔ مشرکین جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہیں ہیں، وہ یہ تمام باتیں کسی کاہن یا کسی جن سے سیکھ کر قرآن کو اللہ کا کلام کہتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے یہ کہنے پر کہ آسمان سے ان کے پاس فرشتہ آتا ہے اور یہ کلام لاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ اور پاگل کہتے تھے، ان کو یہ بات سمجھنا بہت مشکل تھا کہ فرشتہ منٹوں میں آسمان سے زمین پر کیسے آسکتا ہے؟ یہ بات جھوٹ سمجھتے تھے، اس لئے وہ آپ ﷺ کو جھوٹا بھی کہتے تھے، کلام الٰہی کا اثر انسانوں پر دیکھ کر کہتے کہ یہ جادوگر ہے، ان کے کلام میں جادو بھرا ہوا ہے، ان کو اس بات پر غور کرنا چاہئے تھا کہ جب سورج کی روشنی جو مخلوق ہے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے منٹوں اور سکنڈوں میں زمین پر آسکتی ہے تو فرشتہ آسمانوں سے زمین پر کیوں نہیں آسکتا، آج بھی غیر مسلم لوگ قرآن کو دوسری کتابوں کی طرح انسان کی لکھی ہوئی کتاب سمجھتے ہیں، انٹرنیٹ اور فیاکس مشین کی طاقت ایک منٹ میں بات کو ایک مقام سے

دوسرے مقام پر پہنچا سکتی ہے، آواز سے تیز رفتار دوڑنے والے جہاز انسان خود تیار کر رہا ہے، تو اللہ کے آسمان سے فرشتے کو زمین پر بھیجنا کیوں مشکل ہوگا؟!

سوال:۔ قرآن کی سچائی کو آسان طریقے سے کیسے سمجھائیں؟

جواب:۔ ہر زمانے میں غیر مسلم قرآن مجید کو اللہ کا کلام نہیں مانتے، اور کہتے کہ یہ محمد صاحبؐ کی لکھی کتاب ہے، ایک عیسائی نے ایک مسلمان سے کہا کہ یہ بتاؤ قرآن پہلے آیا یا انجیل پہلے آئی؟ مسلمان نے کہا کہ انجیل پہلے آئی! تب عیسائی نے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صاحبؐ نے انجیل کی نقل کر کے قرآن بنایا، تب مسلمان نے کہا کہ یہ بتاؤ: انجیل پہلے آئی یا تورات پہلے آئی؟ عیسائی نے کہا: تورات پہلے آئی! پھر مسلمان نے کہا: کیا حضرت عیسیٰؑ نے تورات کی نقل کر کے انجیل تیار کی ہے؟ یاد رکھو! نقل ایک دو صفحات کی ہوسکتی ہے، ہمارے پاس تو دونوں کتابوں سے زیادہ تفصیل حضرت عیسیٰؑ کی زندگی پر ہے، پھر یہ نقل کیسے ہوسکتی ہے، یہ کتاب آج ساڑھے چودہ سو سال سے جیسے نازل ہوئی تھی ویسے ہی لفظ بہ لفظ محفوظ اور موجود ہے، اس کو ساری دنیا کے مسلمان نماز میں ویسے ہی ہر روز پڑھتے ہیں، کسی حرف اور لفظ کا فرق کسی ملک میں پڑھنے میں نہیں ہوتا، لاکھوں چھوٹے بچے اپنے سینے میں قرآن کو محفوظ کرنے حفظ کرتے ہیں، دن رات اس کتاب کی تعلیم دنیا کے تمام مدارس میں ہوتی ہے، اس کتاب کے لاکھوں علماء ساری دنیا میں ہمیشہ موجود رہے، موجود ہیں اور انشاءاللہ رہیں گے، اس کی اصل زبان آج تک زندہ ہے۔

کیا تورات اور انجیل کی ایسی تعلیم ہوتی ہے؟ کیا ان کے حفاظ موجود ہیں؟ کیا ان کو ہر روز پڑھا جاتا ہے؟ کیا ان کی قراءت سے لوگ متاثر ہوتے ہیں؟ کیا ان کتابوں کو سمجھنے کے بعد ان انسانوں کے اخلاق سب سے اعلیٰ ہوسکتے ہیں اور کیا وہ آخرت کی تیاری کر سکتے ہیں؟ ہر زمانہ میں ان کتابوں میں تحریف کی گئی اور اصل زبانوں کو بدل کر صرف ترجمے لکھے گئے ہیں، یہ کتابیں جن زبانوں میں پیغمبروں کو دی گئی تھیں وہ زبان آج کی کتاب میں نہیں، کیا ان کتابوں میں اللہ کلام، نبی کا کلام مفسروں کا کلام، نبی کے صحابہؓ کے

کلام الگ الگ ہیں؟ سب کچھ ملا ہوا ہے، جبکہ قرآن جس زبان اور جن الفاظ کے ساتھ نازل ہوا وہ آج تک کے محفوظ ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گا، اللہ کے کلام کے الفاظ قرآن کی شکل میں، نبی کا کلام احادیث کی شکل میں، مفسرین کی تشریحات' تفاسیر کی شکل میں، الفاظ کے ترجمے اصل زبان سے ہٹ کر لکھے گئے ہیں، دنیا کے لاکھوں بچے ہر روز قرآن کو حفظ کر رہے ہیں، ان کے پڑھنے میں ایک لفظ کا بھی فرق نہیں، اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اس کی حفاظت اللہ خود فرما رہا ہے، اس لئے اس میں کوئی تحریف نہیں، اگر کوئی قرآن مجید کو اللہ کا کلام مان کر ایمان نہیں لاتا ہے تو وہ گمراہی' گھاٹے اور خسارے میں ہے۔

سوال:۔ مشرکین مکہ ایمان قبول نہ کرنے کا بہانہ کر کے قرآن مجید کے احکام میں تبدیلی کرنے کی جو خواہش کی' وہ کس قسم کا قرآن چاہتے تھے؟

جواب:۔ اس کا تذکرہ سورۂ یونس آیت:۱۵ میں ہے، وہ چاہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن پیش کر رہے ہیں وہ بہت ہی سخت ہے، اس میں ہماری ساری زندگی کو توحید اور آخرت میں جکڑ دیا گیا، اور صرف ایک اللہ کو ماننے اور آخرت کی زندگی میں ایک ایک لمحہ کا حساب دینے کے تذکرے ہیں، اس میں ہمارے لئے دنیا کا عیش و آرام، مستی و خواہشاتِ نفسانی اور مرضیات والی زندگی اور باپ دادا کی طریقوں سے محرومی ہے، یہ سب دعوت دینے کے بجائے کچھ ایسا پیغام اور ایسے احکام بیان کرو جس سے آپس میں ہم میں اور تم میں نفرت و دشمنی کا ماحول پیدا نہ ہونے پائے اور قوم میں تفرقہ پیدا نہ ہونے پائے، لوگوں کو توحید کے ساتھ شرک اور خدا پرستی کے ساتھ نفس پرستی، قوم پرستی، دنیا پرستی، وطن پرستی، آباء واجداد پرستی کی بھی چھوٹ ہو، قرآن کی اس دعوت میں رسم و رواج کرنے اور من چاہی زندگی، نفسانی خواہشات کے ساتھ گذارنے کی بھی آزادی ہو' تاکہ ہم خدا کا حق بھی ادا کریں اور جی کی خواہش پر بھی چل سکیں، خدا کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ من مانی زندگی گذارنے کی بھی کھلی اجازت ہو۔

پیغمبر اگر واقعی سدھار چاہتا ہے تو وہ ایسی بات کرے جس سے دنیا بنتی ہو، لوگوں کو

مادی فائدے حاصل ہوتے ہوں، تجارت اور کاروبار میں ترقی کے پروگرام بتلائے، قوم اور ملک کا نام روشن ہونے کی بات کی جائے، اور کچھ ایسی لچکدار بات پیش کرے جس میں ہم تمہاری بات سنیں اور کچھ تم ہماری بات سنو اور ہم دونوں میں مصالحت رہے، کوئی تضاد نہ ہو، تمہاری خدا پرستی میں ہمارے لئے نفس پرستی، دنیا پرستی، قوم پرستی، وطن پرستی اور بت پرستی کی بھی گنجائش ہو، ہم دنیا میں من چاہی زندگی بھی گذار سکیں اور اپنی خواہشات کو بھی پورا کر سکیں اور آخرت میں بھی ہماری کسی نہ کسی طرح نجات ہو جائے، ہمارے بڑوں کو ہماری سفارش کرنے کا حق ہو، تم اندھیرے اور اجالے کی طرح خوشبو اور بدبو کی طرح توحید توحید کا اعلان کرو گے تو ہم نہیں مانیں گے، ایک اللہ کو ماننا ہمارے لئے ناقابل برداشت اور ناقابل قبول ہے، تمہارے اس دین میں ہمارے رسم و رواج کے لئے کچھ ہماری ذاتی وقومی اغراض کے لئے، خواہشاتِ نفس کے لئے بھی جگہ نکلنی چاہئے، بتوں کی پرستش اور رسم و رواج میں ساتھ دینے کے لئے قومی یکجہتی کی بات بھی ہو، تم ہماری تائید کرو، ہم تمہاری تائید کریں گے، تب ہی بات بن سکتی ہے، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم اور تم مل کر ایک ملا جلا دین بنائیں اور مذہب کے نام پر قوم میں اتحاد و محبت اور اتفاق پیدا کریں جس میں خدا پرستی کے ساتھ ساتھ آزادی بھی ہو، تم ہم کو صرف عقیدۂ ایمان اور شریعت کے دائرے میں باندھے رکھنا چاہتے ہو، پیغمبر نے کہا: میں اللہ کی طرف سے وحی پیش کر رہا ہوں اس، اس میں ذرّہ برابر تبدیلی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، اس کو مانو یا نہ مانو۔

سوال:۔ اکثر مسلمانوں نے بھی قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود سماج اور سوسائٹی کے طریقوں کو دین کیسے بنالیا؟

جواب:۔ یہی حال بہت زمانے سے مسلمانوں کا بھی ہو گیا ہے، قرآن تو وہی ہے، اس کے احکام میں کوئی تبدیلی نہیں، مگر اکثر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے احکام جانتے مگر ساتھ ساتھ اپنے سماج و سوسائٹی کے طور طریقوں، جاہلانہ رسم و رواج اور نفس کی خواہشات پر من چاہی زندگی، باپ دادا کی اندھی تقلید اور پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ

غلو کر کے بزرگوں کی قبروں پر شرکیہ عقائد و اعمال کرتے ہیں، پھر توحید کا اقرار کرتے ہیں، زبان سے تو انہوں نے دوسری قرآن کا مطالبہ نہیں کیا، مگر شرکیہ عقائد و اعمال سے اور معاشرتی طور طریقوں کو دین سمجھ کر عمل کر کے ایک نیا دین بنالیا، اور مشرکین مکہ کی طرح خیالات پیدا کر لئے، وہ دین میں پورے پورے داخل ہونا نہیں چاہتے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہوئے شیطان کی دوستی میں شیطان کا بھی ساتھ دے رہے ہیں اور دین کی پابندی صرف چند چیزوں میں کرتے ہیں، باقی زندگی رب چاہی اختیار کرنے کے بجائے من چاہی خواہشات پر گذار رہے ہیں، قرآن مجید کے ہر حکم کے خلاف چلتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو پسند نہیں کرتے، بدعات اور رسم و رواج کو دین سمجھتے ہیں۔

سوال:۔ ایمان قبول نہ کرنے کے لئے مشرکین کا یہ بھی اعتراض تھا کہ قرآن ایک ہی مرتبہ میں کیوں نازل نہیں ہوا؟

جواب:۔ قرآن مجید کے تھوڑا تھوڑا بتدریج نازل ہونے میں مشرکین مکہ کا یہ اعتراض تھا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہوتا تو یکدم اکھٹا پورا پورا نازل ہو جاتا؟ اللہ تعالیٰ تھوڑا تھوڑا نازل کیوں کرتا؟ یہ اللہ کی طرف سے نہیں نازل ہو رہا بلکہ محمد خود سوچ سوچ کر یا کسی سے پوچھ پوچھ کر یہ سب مضامین بیان کر رہے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ اس کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں، یہ کلام اُمّی نبی اور اُمّی قوم پر نازل ہو رہا ہے، اس کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے ہی میں انسانوں کے لئے فائدہ ہے، اس کی دعوت، تعلیمات اور احکام کو وہ سمجھ کر ان میں غور و فکر کر سکتے ہیں، سارے نظام حیات کا قانون اور احکام ایک ہی وقت میں نازل کر دئے جاتے تو انسان نہ سمجھ سکتا اور نہ عمل کر کے دوسروں کے لئے مثال اور نمونہ بن سکتا تھا، انسانوں کو تکلیف ہوتی، وہ یکدم جہالت اور گمراہی سے نکل کر تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار نہیں کر سکتے تھے، ہر حکم مناسب وقت اور موقع کے حالات کے اعتبار سے دیا جا رہا ہے، انسانوں کی عقل و فہم اور سمجھنے کی قوت ایک جیسی

نہیں ہوتی، وہ ہر بات اور حکم کو جلد دل اور عقل میں میں اتار نہیں سکتے، مختلف حالات اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کو بعض باتیں دوہرا کر الگ الگ مثالوں سے کہیں مختصراً اور کہیں تفصیل سے سمجھایا جارہا ہے، موقع ومحل کے لحاظ سے دوسری قوموں کے حالات سے فرمانبرداری اور نافرمانی کو سمجھانا بھی مقصود ہے، مشرکین کے اعتراضات کے جوابات دے کر ان کو مطمئن کرنا بھی ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو دعوتِ اسلام میں جو حالات پیش آرہے ہیں ان کا حل بتلانا بھی ضروری ہے، اس لئے قرآن نے سب سے پہلے فکر وخیالات اور جذبات کو درست کرنے کے لئے عقیدۂ ایمان کی دعوت دی، پھر آہستہ آہستہ اعمالِ کو بتدریج اختیار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ نماز، شراب، سود، پردہ، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کو آہستہ آہستہ بتدریج نافذ کیا گیا، انسانوں کو یہ بات سمجھائی گئی کہ اللہ کے علم ودانش میں کوئی نقص نہیں، وہ حکیم ہے، اپنی حکمت ومصلحت کے ساتھ کتاب اپنی اُمّی نبی پر نازل کررہا ہے اور ان کو اس کی عملی مثال بنارہا ہے، ورنہ یہ کتاب تو پہلے ہی لوحِ محفوظ (کتابِ تقدیر) میں لکھی ہوئی محفوظ تھی، پھر وہاں سے بیت المعمور میں نازل ہوئی اور پھر بتدریج دنیا میں نازل ہورہی ہے، اس کے آہستہ آہستہ نازل ہونے سے انسان برائی کو ترک کرکے اپنی زندگی میں حسن وخوبصورتی والے اعمال، امن وسکون والی زندگی اختیار کررہا ہے۔

سوال:۔ بدعتی مسلمان بدعات سے توبہ کیوں نہیں کرپاتے ہیں؟

جواب:۔ جن انسانوں کو شیطان بہکا کر جہالت اور کم علمی سے شرک، بدعات اور خرافات اور باپ دادا کی اندھی تقلید میں مبتلا کرکے رکھتا ہے وہ ان اعمال سے کبھی توبہ نہیں کرتے، اس لئے کہ شیطان ان کو ان اعمال میں نیکی کا تصور دلا کر دین کی نافرمانی کا احساس نہیں دلاتا رہتا ہے، اور وہ ان تمام بدعات ورسومات کو نیکی سمجھ کر کرتے رہتے ہیں، کبھی توبہ کرنا نہیں چاہتے، غلو میں مبتلا رہتے ہیں، اللہ کے قائم کردہ حدود کو نیکی سمجھ کر توڑتے ہیں، یہی حال مشرکین کا ہوتا ہے، وہ جتنے رسم ورواج اور شرکیہ عقائد واعمال میں

مبتلا رہتے ہیں ان کو مذہب سمجھتے اور عبادت کا تصور رکھ کر ادا کرتے رہتے ہیں، ان کے خلاف کوئی بات سننا نہیں چاہتے۔

سوال:۔ مشرکین کے ایمان قبول نہ کرنے میں ان کی اندھی تقلید کیا تھی؟

جواب:۔ مشرکین عام طور پر شرک کرنے میں عقل کا استعمال نہیں کرتے اور ان کے ایمان قبول نہ کرنے میں سب سے بڑی رُکاوٹ اس معاملہ میں باپ دادا کی اندھی تقلید بھی تھی، یہ چیز مشرکین مکہ میں بھی تھی اور ہر زمانہ کے مشرک انسانوں میں رہی اور ہے، وہ جس ماحول، جس گھر اور خاندان میں اپنے بڑوں کو جیسا کرتا ہوا دیکھتے ہیں اسی عقیدہ اور عمل پر جمے رہتے ہیں، ان کے بڑے ایمان سے دور شرکیہ اعمال کریں تو یہ بھی وہی سیکھتے ہیں اور خود بھی شرک سے چمٹے رہتے ہیں، حالانکہ عقل اور ضمیر ان عقائد اور اعمال کو نہیں مانتے پھر بھی ان کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور حق سمجھنے کے باوجود ایمان کا انکار کرتے ہیں، مشرکین مکہ بھی یہی سوال کرتے تھے کہ کیا ہمارے باپ دادا بیوقوف اور احمق تھے جنہوں نے زندگی بھر یہی اعمال کئے؟ اسی طرح باپ دادا کی اندھی تقلید ہر زمانے میں انسانوں کو حق سمجھنے اور ایمان قبول کرنے سے دور رکھتی ہے۔

سوال:۔ مشرکین کے معجزات کے مطالبے کو کیوں نہیں مانا گیا؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ بندوں سے غیب پر ایمان چاہتا ہے، معجزات کے ذریعہ مشاہدہ کروا کر ایمان والا بنانا نہیں چاہتا، اس لئے کہ معجزات کے ذریعہ فرشتے اور اللہ کی قدرت سب کچھ نظر آجاتا ہے، معجزات اور کرامات وقتی طور پر یکدم غیر متوقع ظاہر ہو کر ختم کردئے جاتے ہیں، قرآن سے پچھلی قوموں کے حالات بتلا کر سمجھایا کہ معجزات ظاہر ہوجانے کے بعد بہت کم لوگ ایمان قبول کرتے ہیں، ان قوموں کے پیشوا اور سردار اپنی قوم کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے تھے کہ یہ جادو ہے۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم تھی کہ مشرکین یہ سوالات محض بات ٹالنے اور ایمان قبول نہ کرنے کے لئے کر رہے ہیں، اور ان کے ان سوالات سے بھی یہ بات سمجھ میں آرہی تھی

کہ یہ کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے سوالات کر رہے ہیں۔

یہود تو بار بار قدرت کی نشانیاں دیکھتے، منّ وسلویٰ کھانے، پتھر سے بارہ چشمے نکلنے، عصاء کا اژدہا بن جانے، چالیس سال تک سینا کے میدان میں بغیر دھوپ اور بغیر کپڑے خراب ہونے، سمندر پر راستہ بن کر حضرت موسیٰؑ وقوم کا بچنا اور اسی میں فرعون اور اس کی قوم کے ڈوبنے اور پھر اس کو مردہ حالت میں دیکھنے، پہاڑ کو ان پر معلق کرنے کے باوجود اپنی نافرمانیوں اور بغاوت کو نہیں چھوڑا اور بچھڑے کو معبود بنالئے۔

قومِ صالح اونٹ کے پہاڑ سے نکلنے کے باوجود اور فرعون اور اس کی قوم بار بار عذابات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے، حضرت عیسیٰؑ کے معجزات دیکھنے کے باوجود ان کو قتل کرنا چاہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کنکریوں کو کلمہ شہادت پڑھتے دیکھنے کے باوجود ابوجہل اور دیگر مشرکین نے ایمان قبول نہیں کیا، بیوقوف لوگ معجزات کو جادو کہہ دیتے ہیں۔

ایمان قبول نہ کرنے کا ایک بہانہ فرشتوں کو پیغمبر نہ بنانا بھی تھا:

ایمان قبول نہ کرنے کے لئے یہ بہانہ کیا گیا کہ فرشتوں کو کیوں نبی نہیں بنایا گیا، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو فرشتوں ہی میں سے نبی بھیجا جاتا، چونکہ فرشتے انسانی صفات نہیں رکھتے اور انسانی طبیعت ومزاج والے نہیں ہیں؛ ان کی فطرت ومزاج الگ اور صفات الگ ہیں، اور انسان کی فطرت، مزاج اور صفات الگ ہیں، اس لئے انسانوں میں سے انسان ہی کو نبی بنا کر بھیجا گیا جو انسانوں ہی کی فطرت و مزاج اور صفات سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے اور انسانوں کی ضرورتوں کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور اسی اعتبار سے ان کی بہترین تربیت کرسکتا ہے۔

حضرت جبرئیلؑ کے وحی لانے کو ایمان قبول نہ کرنے کا بہانہ بنایا گیا

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہودیوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھا: اللہ کی کتاب تم میں موجود ہے، کیا تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا

رسول نہیں مانتے؟ سب خاموش رہے، ان میں کا بڑا عالم جو سب کا سردار تھا اس نے کہا: آپ نے زبردست قسم دے دی! لہٰذا سچ تو یہی ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں، تب حضرت عمرؓ نے کہا: افسوس! یہ جانتے ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں؟ اس نے کہا: صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس آسمان سے وحی لے کر آنے والے جبرئیل ہیں جو نہایت سختی، تنگی، شدت، عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں، ہم ان کے دشمن ہیں، اگر وحی میکائیل لے کر آتے جو رحمت، بارش اور راحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں تأمل نہ ہوتا، تب حضرت عمرؓ نے کہا: اچھا بتاؤ! ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا قدر و منزلت ہے؟ اس نے کہا: ایک تو جناب باری تعالیٰ کے داہنے بازو ہے، دوسرا دوسری طرف، حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! جو ان دونوں میں سے کسی کا دشمن ہو اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی، کیونکہ جبرئیل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتا، میکائیل کا دشمن جبرئیل کا دوست نہیں ہوسکتا، نہ ان میں سے کسی ایک کا دشمن اللہ کا دوست ہوسکتا ہے، ان دونوں میں سے کوئی ایک اللہ کی اجازت کے بغیر زمین پر آسکتا ہے اور نہ کوئی کام کرسکتا ہے، واللہ! مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف۔

ایمان قبول نہ کرنے کے لئے انسان کو پیغمبر بنانے کا بہانہ:

کافروں اور مشرکوں کو یہ بات بڑی عجیب لگتی تھی کہ ایک انسان اللہ کا رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ کسی بشر کے پاس وحی الٰہی کیسے آسکتی ہے؟ ان کو یہ بات بڑی ہی انوکھی معلوم ہوتی تھی کہ نبی کا دعویٰ کرنے والا بازار جائے، ہماری طرح روزی روٹی کی تلاش کرے، بیوی بچے والا ہو، دولت سے محروم ہو، سب کام ہماری طرح کرتا ہو، اسی وجہ سے وہ پیغمبر کو انسان ہوتا ہوا دیکھ کر انکار کرتے تھے، اسلام نے ان کو یہ تعلیم دی کہ تمام پچھلے پیغمبر بھی انسان ہی تھے، ان کے پاس بھی وحی الٰہی آتی تھی، حضرت محمد ﷺ پر وحی کا آنا کوئی تعجب کی بات نہیں، پچھلے پیغمبر بھی اہل وعیال والے اور دنیاوی کاروبار کرتے تھے، اس میں تعجب کی

کیا بات ہے؟ ان کے بشر ہونے پر ایمان کا اقرار جو ایک سچائی ہے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟ وہ تو سچائی کی تعلیم دے رہے ہیں، حالانکہ اگر فرشتہ بھی پیغمبر بن کر آتا تو یہ لوگ کہتے کہ فرشتے پیغمبر کیسے بن کر آیا؟ اس کو ہماری طرح حاجتیں اور ضرورتیں نہیں ہیں، وہ ہماری رہبری کیا اور کیسے کرسکتا ہے؟ اس کی زندگی انسانوں جیسی ہی نہیں ہے، قرآن کہتا ہے کہ تم پہلی آسمانی کتاب والوں سے پوچھو کہ ان کے انبیاء جن پر کتابیں اتریں وہ انسان تھے یا فرشتے؟ پچھلے زمانے کے مشرک' پیغمبر کو انسان کی حالت میں دیکھ کر انکار کئے، اس زمانہ کے اکثر مسلمان پیغمبر کو انسان ہی نہیں مانتے، اگر ان کے سامنے پیغمبر کو انسان کہا جائے تو بہت بُرا مانتے اور ادب کے خلاف سمجھتے ہیں، اور بعض تو پیغمبر کو اپنی طرح عام انسان سمجھ کر ڈاکیہ سے مثال دے دیتے ہیں، ڈاکیہ کا کام خط دے کر چلے جانا ہوتا ہے، وہ خط کی مثال اور نمونہ نہیں ہوتا، وہ خط پر عمل کر کے نہیں بتلاتا ہے۔

ایمان قبول کرنے کے بجائے موت کی دھمکی دی گئی:

ابن ابی حاتم میں حضرت سدیؓ سے مروی ہے کہ ابوطالب کی وفات کے وقت جب وہ بیمار ہوگئے تو مشرکین کے سرداروں نے آپس میں مل کر مشورہ کیا اور طے کیا کہ ابوطالب سے مل کر کہیں گے کہ وہ اپنے بھتیجے کو دعوتِ دین سے روک دیں؛ ورنہ یہ یقینی بات ہے کہ اب ہم اُسے مار ڈالیں گے، ممکن ہے کہ عرب کی طرف سے یہ آواز اُٹھے کہ چچا کی موجودگی میں تو قریشیوں کی ہمت نہ ہوئی، ان کی موت کے بعد مارا گیا، یہ مشورہ کر کے ابوجہل، ابوسفیان، اور دوسرے لوگ گئے اور ابوطالب سے ملاقات کی اور کہا کہ ہم آپ کو اپنا بڑا سردار مانتے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ محمدؐ نے ہمیں تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے، وہ ہمارے معبودوں کی مخالفت کر رہا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ اُسے بلا کر منع کر دیجئے، ہم بھی اس سے رُک جائیں گے، ابوطالب نے حضور ﷺ کو بلا بھیجا اور کہا یہ تمہاری قوم کے بڑے یہاں آئے ہیں، یہ سب تمہاری کنبے و قبیلے کے اور رشتہ دار ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ تم ان کی اور ان کے معبودوں کی مخالفت نہ کرو، ان کے خلاف دعوتِ دین نہ دو،

تب یہ بھی تم کو کچھ نہیں کہیں گے۔

اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک بات کہتا ہوں' سب لوگ سوچ کر اس کا جواب دیں، میں ان سے صرف ایک کلمہ ماننے کا مطالبہ کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اگر یہ میری ایک بات مان لیں تو تمام عرب ان کا ماتحت ہو جائے گا، تمام عجم ان کی مملکت میں آ جائے گا، بڑی بڑی سلطنتیں انہیں خراج ادا کریں گے۔''

یہ سن کر ابوجہل نے کہا: ''قسم ہے ایک بات ہی نہیں ایسی دس باتیں بھی اگر تمہاری ہوں تو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں، بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس لا الٰہ الا اللہ کہہ دو،'' اس پر سب نے ایک زبان ہو کر انکار کر دیا اور ناک بھوں چڑھائے۔

یہ بات دیکھ کر ابوطالب نے کہا: ''پیارے بھتیجے! اور کوئی بات کہو، دیکھو تمہاری قوم کے سرداروں کو تمہاری یہ بات پسند نہیں آئی۔''

تب آپ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! آپ مجھے کیا سمجھاتے ہیں؟ اللہ کی قسم مجھے اسی ایک کلمہ کی دھن ہے، اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں کوئی اور کلمہ نہیں کہوں گا۔''

یہ سن کر وہ سب لوگ اور بگڑ گئے اور کہنے لگے: بس ہم کہہ دیتے ہیں کہ یا تو تم ہمارے معبودوں کی برائی کرنا چھوڑ دو؛ ورنہ ہم بھی تم اور تمہارے معبود کو گالیاں دیں گے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام کی آیت: ۱۰۸ نازل فرمائی: ''(مسلمانو!) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں؛ تم ان کو بُرا مت کہو، جس کے نتیجہ میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو بُرا کہنے لگیں، (اِس دنیا میں تو) ہم نے اسی طرح ہر گروہ کے عمل کو اس کی نظر میں خوشنما بنا رکھا ہے، پھر ان سب کو اپنے رب ہی کے پاس لوٹنا ہے، اس وقت وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔''

ایمان قبول نہ کر کے قبیلہ بنو ہاشم کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا:

خاندانِ قریش کے تمام افراد جمع ہو کر قبیلہ بنو ہاشم رسول اللہ ﷺ کے قبیلہ کا سوشل بائیکاٹ کرنے کے لئے عہد نامہ تیار کیا اور اُسے بیت اللہ کے اندر لٹکا دیا کہ ''قبیلہ بنو ہاشم سے جب تک وہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے ان سے تجارت، لین دین، رشتہ، نکاح، دوستی، مدد وغیرہ غرض کسی قسم کا کاروبار نہیں کریں گے۔

ابولہب جو بنو ہاشم کا فرد تھا اس نے اپنے ہی خاندان کے خلاف قریشِ مکہ سے مل کر محمد ﷺ کے خلاف رہا اور اس معاہدہ کا ساتھ دیا اور باہر سے آنے والے تمام تاجروں کو بنو ہاشم کے افراد کو کوئی چیز فروخت کرنے سے منع کر دیا، بنو ہاشم کے تمام افراد شعب ابی طالب کی وادی میں تین سالوں تک تکلیفیں جھیلتے رہے اور سارا مکہ ان کا بائیکاٹ کیا، تین سال بعد اس معاہدہ کو دیمک کھا گئی، اور قریش کے چند لوگ اس معاہدے کے خلاف ہو گئے، حضور اکرم ﷺ نے ابو طالب سے کہا کہ وہ معاہدہ اب باقی نہیں رہا، اُسے تو دیمک کھا چکی ہے، پھر بائیکاٹ ختم ہو گیا۔

اس طرح کی صورت حال ہر زمانہ میں ایمان قبول کرنے والوں کے ساتھ رہی، کہیں ان کو نوکری اور تجارت سے دور کر دیا گیا، کہیں فساد سے ان کی دکانوں، مکانوں کو لوٹا گیا، کہیں وطن کی شہریت سے محروم کیا گیا، اور کہیں غیر ملکی کہہ کر ملک سے باہر کر دیا گیا۔

ایمان قبول کرنے کے بجائے دنیا کی لالچ دلا کر دعوتِ دین سے روکنا چاہا:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عتبہ، ربیعہ، شیبہ، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، ابوسفیان بن حرب، بنی عبدالدار، ابوالبختری اور دوسرے سردار کعبہ کے پاس جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو بلوایا، حضور ﷺ یہ سمجھے کہ شاید یہ حق بات کو قبول کرنا چاہتے ہیں، تشریف لائے، سب نے کہا کہ ''سنئے! آج ہم تم پر حجت تمام کر دیتے ہیں تا کہ ہم پر الزام نہ آئے اسی لئے بلوایا ہے، واللہ! آج تک کسی نے اپنی قوم کو ایسی مصیبت میں نہ ڈالا ہے جس میں تم نے اپنی قوم کو ڈالا ہے، تم ہمارے باپ داداؤں کو بیوقوف کہتے

ہو، ہمارے دین کو بُرا اور غلط کہتے ہو، ہمارے معبودوں کو بے حقیقت کہتے ہو، ان کی پرستش کو بیوقوفی کہتے ہو، تم نے ہم میں تفریق ڈال دی، لڑائی اور دشمنی پیدا کر دی، ہم میں فساد پیدا کر دیا، اب صاف صاف سن لو اور سوچ کر جواب دو، اگر مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم سب مل کر اتنا مال دیں گے کہ سب سے زیادہ مالدار تم بن جاؤ گے، اگر سرداری چاہتے ہو تو ہم سب مل کر تمہاری سرداری تسلیم کر لیں گے اور تمہاری تابعداری منظور کر لیں گے، اگر بادشاہت چاہتے ہو تو سب مل کر تمہاری بادشاہت کا اعلان کر دیں گے، اور اگر واقعی تمہارے دماغ میں فتور ہے، کوئی جن سوار ہے تو ہم اپنے خرچ سے تمہارے دماغ کا علاج کروا دیں گے۔

یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے جواب دیا: ''سنو! الحمدللہ مجھے کوئی دماغی عارضہ یا خلل یا آسیب نہیں ہے، نہ میں اپنی رسالت کی وجہ سے مالدار بننا چاہتا ہوں، نہ کسی سرداری کی خواہش ہے اور نہ بادشاہ بننے کی تمنا ہے، مجھے تو اللہ نے تم سب کی طرف اپنا رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی، مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خوشخبریاں سناؤں اور آخرت کے عذاب سے ڈراؤں، میں نے اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچا دئے اور تمہاری سچی خیر خواہی کی، تم اگر قبول کر لو گے تو دونوں جہانوں میں خوش قسمت بن جاؤ گے، اگر نامنظور کرو گے تو میں صبر کروں گا، یہاں تک کہ اللہ مجھ میں اور تم میں فیصلہ کر دے۔''

یہ باتیں سن کر انہوں نے کہا: اگر ہمارے یہ پیشکش منظور نہیں تو سنو تمہیں بھی معلوم ہے کہ ہمارا شہر پہاڑوں سے ڈھنکا ہوا ہے، یہاں مال کی تنگی ہے، پوری قوم کو پیٹ بھر کر روزی نہیں ملتی تو تم اپنے رب سے دعاء کر کے یہاں سے پہاڑوں کو ہٹا دو؛ تا کہ ہمارا شہر کشادہ ہو جائے، اس میں نہریں، چشمے اور دریا جاری ہو جائیں اور سرسبزی و شادابی ہو جائے، اور یہ بھی دعاء کرو کہ قصی بن کلاب کو اللہ دوبارہ زندہ کر کے جو سچا انسان ہمارا بزرگ تھا؛ وہ اگر گواہی دے کہ تم اللہ کے پیغمبر ہو تو ہم مان لیں گے۔

ان باتوں کو سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میں ان چیزوں کے لئے نہیں بھیجا

گیا ہوں، ان میں کوئی کام میرے بس کا نہیں، میں تو اللہ کی باتیں تم تک پہنچانے آیا ہوں، قبول کرلو تو دونوں جہانوں میں خوش رہو گے، نہ قبول کرو گے تو میں صبر کروں گا، یہاں تک کہ اللہ مجھ میں اور تم میں فیصلہ کردے۔''

اس پر مشرکوں نے کہا: اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو دعاء کرو کہ کوئی فرشتہ آکر تمہاری تصدیق کرے، تمہاری طرف سے جواب دے اور اس کی مدد سے تم اپنے لئے باغات، سونا چاندی کا محل بنوالو؛ تاکہ خود تمہاری حالت سنور جائے، بازار میں چلنا پھرنا، ہماری طرح روزی کی تلاش میں نکلنا ختم ہوجائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ سب میں اپنے رب سے طلب نہیں کرتا، مجھے تو اللہ نے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے، اور کچھ نہیں، اگر نہیں مانتے تو دیکھو کہ میرا پروردگار تمہارے اور میرے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے؟''

یہ باتیں سن کر پوری طرح انکاری انداز میں انہوں نے کہا: اچھا تو پھر اپنے رب سے کہہ کر ہم پر آسمان گرادو! تم کہتے ہی ہو کہ اگر اللہ چاہے تو ایسا کردے، تو پھر ہم کہتے ہیں، بس یہ کردو؛ ڈھیل نہ دو، جب تم کہتے ہو کہ یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ جو چاہے کرسکتا ہے، ہم نے سنا ہے کہ تم کو یمامہ کا ایک شخص رحمٰن نامی وہ تم کو سکھا جاتا ہے، اللہ کی قسم! ہم تو رحمٰن پر ایمان نہیں لانے والے ہیں، ہم کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے، تم نے ہماری واجبی اور انصاف کی بات بھی نہیں مانی، اب کان کھول کر سن لو اور ہوشیار رہو کہ تم کو اس حالت میں آزاد رہنے نہیں دیں گے، یا تو ہلاک کردیں گے یا پھر تم ہم کو تباہ کرڈالو، ان میں سے کسی نے کہا: ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں، وہ ہماری مدد کریں گے۔

مجلس برخاست ہوگئی، عبداللہ بن ابی امیہ اور امیہ بن مغیرہ جو آپ ﷺ کے پھوپھی حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا؛ دونوں نے آپ ﷺ کے ساتھ چلتے ہوئے کہا: یہ تو بڑی نامناسب اور غیر منصفانہ بات ہے کہ قوم نے جو پیشکش کی ہے وہ بھی آپ نے منظور نہیں کیا، پھر جو طلب کیا وہ بھی آپ نے پورا نہ کیا، پھر جس چیز سے آپ انہیں ڈراتے

تھے؛ وہ بھی مانگا تو وہ بھی تم نے نہ کیا، اب تو اللہ کی قسم! میں اس وقت تک ایمان ہی نہیں لاؤں گا جب تک کہ آپؐ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ کر کوئی کتاب نہ لائیں، اور چار فرشتے اپنے ساتھ گواہ بنا کر نہ لائیں۔

حضور اکرم ﷺ ان تمام باتوں سے بہت رنجیدہ ہوئے، اس امید سے آئے تھے کہ شاید یہ قوم کے سردار میری بات ماں لیں گے۔

ایمان قبول نہ کرنے کے لئے باپ دادا کے شرک کا احساس دلایا گیا:

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کعبۃ اللہ کے قریب بیٹھے تھے، ابھی حضرت حمزہؓ مسلمان ہو چکے تھے، مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی، سیرۃ ابن اسحاق میں واقعہ اس طرح بھی ہے کہ:

قریش آپس میں مشورہ کر کے عتبہ کو سمجھانے کے لئے حضور ﷺ کے پاس بھیجا، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: برادر زادے! تم عالی نسب ہو، تم ہم میں سے ہو، ہماری آنکھوں کے تارے اور ہمارے دل کے ٹکڑے ہو، افسوس تم اپنی قوم کے پاس ایک عجیب وغریب چیز لائے ہو، کہنے لگا: اے محمد (ﷺ)! یہ بتا تو اچھا ہے یا تیرا باپ عبداللہ؟ آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر اس نے پوچھا: تیرا دادا عبدالمطلب اچھا ہے یا تو اچھا ہے؟ حضور اکرم ﷺ اس پر بھی خاموش رہے، وہ کہنے لگا: سن اگر تو اپنے داداؤں کو اچھا سمجھتا ہے تب تو تجھ کو معلوم ہے کہ وہ ان ہی معبودوں کو پوجنے والے تھے جن کو ہم پوجتے ہیں، جن کی عیب گری تو کرتا ہے، اور اگر تو اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھتا ہے تو ہم سے بات کر، ہم بھی تیری باتیں سنیں گے، قسم اللہ کی! دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لئے تجھ سے زیادہ نقصان پہنچانے والا پیدا نہیں ہوا، تو نے ہمارے اتحاد کو توڑ دیا، تو نے ہمارے اتفاق کو نفاق میں بدل دیا، تو نے ہمارے دین کو عیب دار بنا دیا، اس میں برائی نکالی، تو نے سارے عرب میں ہمیں بدنام اور رسوا کر دیا، آج ہر جگہ یہی تذکرہ ہے کہ قریشیوں میں ایک جادوگر ہے، ایک کاہن ہے،

اب تو یہی ایک بات باقی رہ گئی ہے کہ ہم میں آپس میں مار پیٹ ہو، ایک دوسرے کے سامنے ہتھیار لگا کر آجائیں، اور یونہی لڑا بھڑا کر تو ہم سب کو فناء کر دینا چاہتا ہے، سن اگر تجھے مال کی خواہش ہو تو ہم سب مل کر تجھے اس قدر مال جمع کر کے دیں گے کہ عرب میں تیرے برابر کوئی مالدار نہیں ہوگا، اگر عورتوں کی خواہش ہو تو ہم میں سے جس کی بیٹی تجھے پسند ہو تو بتا، ہم ایک چھوڑ کر دس شادیاں تیری کروا دیں گے۔

حضور اکرم ﷺ نے یہ سب سن کر سانس لی اور فرمایا: بس کہہ چکے؟ اس نے کہا: ہاں!

رسول اللہ ﷺ نے تب قرآن مجید کی آیات عتبہ کو سنائیں عتبہ دنگ رہ کر سنتے سنتے بول پڑا: بس کر! کیا تیرے پاس اس کے سواء کچھ نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! تب وہ اٹھا اور چلا گیا اور جا کر مشرکین سے کہا: میں نے ایسا کلام سنا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا، وہ نہ تو جادو ہے، نہ شعر گوئی ہے، نہ کاہنوں کا کلام ہے، سنو قریشیو! میری بات مان لو، اُسے اس کے حال پر چھوڑ دو، نہ اس کی مخالفت کرو، نہ اتفاق، اس کی مخالفت کے لئے سارا عرب کافی ہے، اور جو یہ کہتا ہے اس میں تمام عرب اس کا مخالف ہو جائے گا، وہ اپنی تمام طاقت اس کے مقابلہ میں صرف کرے گا یا تو وہ اس پر غالب آجائیں گے، اگر وہ اس پر غالب آگئے تو وہ تم سے خود بخود چھوٹ جائے گا، اگر وہ ان پر غالب آگیا تو اس کا ملک تمہارا ہی ملک کہلائے گا، اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور سب سے زیادہ اس کے نزدیک مقبول تم ہی رہو گے، مشرکین کے سرداروں نے کہا: عتبہ پر محمد (ﷺ) کا جادو چل گیا ہے، تب عتبہ نے کہا: جو میری رائے تھی آزادی سے کہہ گیا، اب تمہارا اختیار ہے۔

مشرکین اللہ کو مانتے ہوئے بھی خالص ایمان قبول نہیں کرتے:

مشرکین کی کم عقلی کا یہ حال ہے کہ وہ ایک طرف اللہ کو ہر چیز کا خالق اور مالک مانتے ہیں؛ مگر عبادت دوسروں کی کرتے ہیں، شکر دوسروں کا ادا کرتے ہیں، خالص ایمان کو نہیں مانتے، مصیبت، بیماری اور پریشانی میں سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف خالص اللہ کی طرف ہی رجوع ہوتے ہیں، خالص اللہ کو پکارتے ہیں، ابرہہ جب کعبہ پر حملہ

کرنے کے لئے آیا تو بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ سے مدد مانگی، پھر مصیبت و پریشانی دور ہوجانے کے بعد باطل معبودوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور ان کا شکر بجالاتے ہیں، ان کو مرتے دم تک یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مصیبت اور خوشحالی دونوں میں اللہ ہی مدد کرنے والا ہے اور حفاظت کرنے والا ہے۔

یہی حال اکثر بے شعور ایمان والوں کا ہے، وہ دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہیں، اللہ و رسول سے محبت جتاتے ہیں، مگر شرکیہ عقائد و اعمال میں گرفتار رہتے ہیں، مصیبت میں خالص اللہ سے رجوع ہوتے ہیں، مصیبت ختم ہونے پر مخلوق پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، ان کا شکر ادا کرتے ہیں، ان کے نام پر کھانے کھلاتے ہیں۔

اکثر ایمان کا دعویٰ کرنے والے خالص ایمان نہیں رکھتے:

قرآن مجید سورۂ یوسف کی آیت: ۱۰۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ o اکثر اللہ پر ایمان رکھنے والے بھی شرک کرتے ہیں۔

قرآن خود کہتا ہے کہ جب انسانوں سے پوچھا جائے کہ آسمان سے بارش کون برساتا ہے؟ پھر زمین کو پھاڑ کر پودا کون اُگاتا ہے؟ زمین کو سرسبز و شاداب کون بناتا ہے؟ دانے سے پودا کون نکالتا ہے؟ سب کو روزی کون دیتا ہے؟ آنکھیں اور کان کس کے قبضہ میں ہیں؟ دیکھنے اور سننے کی قوت کس نے دی؟ اعضاء کی قوت چھین لی جائے تو کیا کوئی دوسرا دے سکتا ہے؟ مردے سے زندہ اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے؟ دن اور رات کس کے حکم سے برابر ترتیب سے چلتے ہیں؟ ہر چیز کی بادشاہت کس کے ہاتھ میں ہے؟ تمام مذاہب کے ماننے والے کہیں گے: اللہ! یہ تمام کام صرف اور صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

قرآن پوچھتا ہے کہ پھر تم بھٹکے کیوں جارہے ہو؟ مشرکین مکہ بھی یہ باتیں تسلیم کرتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ اللہ ہی سب کچھ کرنے والا ہے، مگر اکیلے اللہ کی قدرت کو نہیں مانتے تھے، کمزور ایمان والے مسلمانوں کی کثیر تعداد اللہ کو مانتے ہوئے مخلوق کو سجدہ اور رکوع کرتی ہے، ان سے دعائیں مانگتی ہے، ان سے منتیں و مرادیں، صحت و تندرستی، اولاد، نفع

اور زندگی کی دیگر ضرورتیں اللہ کو چھوڑ کر مخلوق سے مانگتی ہے، دن رات شرکیہ اعمال وعقائد میں گرفتار رہتی ہے، ان کو توحید اور شرک کا فرق ہی نہیں معلوم رہتا کہ کعبۃ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے گھروں کا طواف کرتے، اللہ سے بڑھ کر غیر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

اللہ سے رجوع ہونے کے لئے درمیانی واسطے اور وسیلے کا تصور:

ہر زمانہ میں مشرکوں کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ کے پاس کسی واسطے اور وسیلے سے جانا ہوگا، جب دنیا کے بادشاہ کے جلال کا یہ حال ہوتا ہے کہ کوئی اس کے پاس بغیر وسیلے کے نہیں جاسکتا؛ تو کائنات کے شہنشاہ کے پاس ہم کیسے جائیں؟ چنانچہ مشرکینِ مکہ یہ کہتے کہ ہم جن بتوں اور فرشتوں کو پوجتے ہیں وہ اس لئے کہ ان کے ذریعہ ہم اللہ تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں، وہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں، ان کو خوش رکھنے کے لئے چڑھاوے چڑھاتے ہیں، نذرانے پیش کرتے ہیں، ان کی پرستش کرتے ہیں، تاکہ وہ ناراض نہ ہوجائیں، ورنہ ہم کائنات کا حقیقی مالک تو اللہ ہی کو مانتے ہیں، وہ سمجھتے تھے کہ اللہ نے مختلف کام مختلف دیوی دیوتاؤں کے حوالے کردیا ہے، اس لئے وہ چیزیں انہیں سے لینا ہوگا، آج تک تمام مشرک اسی وہم وگمان میں مبتلا ہیں، مشرکین مکہ بیت اللہ میں ۳۶۰/ بت رکھے تھے، مگر وہ کعبۃ اللہ کو بیت اللہ ہی کہتے تھے۔

اس زمانہ میں اکثر مسلمان صحیح ایمان نہ رکھ کر بغیر ولیوں اور بزرگوں کے واسطے اور وسیلے کے نہیں جانا چاہتے، وہ اپنی ضرورتیں، حاجتیں پہلے ولیوں اور بزرگوں کے پاس پیش کرتے ہیں، ان کو خوش رکھنے کے لئے ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، ان کے نام کے کھانے کھلاتے ہیں اور جو لوگ بغیر واسطے کے اللہ کو پکارتے ہیں، ان کو گمراہ اور بے دین کہتے ہیں۔

مشرک اپنے غلاموں کو اپنی ملکیت میں شریک نہیں کرتے؛ مگر اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں:

مشرک اپنے معبودوں کو اللہ کے غلام جاننے کے باوجود ان کی عبادت میں لگے

ہوئے ہیں اور ان سے اللہ سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں، اللہ کے مقابلے میں ان کی بڑائی پکارتے اور اٹھتے بیٹھتے ان کا نام لیتے ہیں، چنانچہ حج کے موقع پر مشرکین کہا کرتے تھے، یعنی ''اے اللہ! میں تیرے پاس حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو خود تیرے غلام ہیں، ان کا اور ان کی ماتحت چیزوں کا اصلی مالک تو تو ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں احساس دلاتا ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے ساتھ برابری میں اور اپنے مال میں شریک کرنا پسند نہیں کرتے تو پھر میرے غلاموں کو میری قدرت، خدائی اور الوہیت میں کیسے شریک ٹھہرا رہے ہو؟ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے مال میں شریک بنانے سے نفرت کرتے ہو تو میرے غلاموں کو میری ملکیت میں کیسے شریک کر رہے ہو؟

ایمان صحیح نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات کے نظام کو بہت سے ولیوں، بزرگوں کے حوالے کر رکھا ہے اور وہ اس دنیا کے انتظامات چلاتے ہیں، لہٰذا شادی، تجارت، نوکری، صحت، مشکلات سے نجات وغیرہ انہی سے مانگی جاتی ہیں، اٹھتے بیٹھتے انہی کو پکارا جاتا ہے، ہر سال ان کی قبروں کو سجایا جاتا ہے، روشنی لگائی جاتی ہے اور لوگوں کو جمع کر کے ان کے عقائد میں شرک کو تازہ کیا جاتا ہے، انہیں اللہ سے جوڑنے کے بجائے بزرگ سے جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

معجزوں سے گمراہ ہو کر خالص ایمان سے دوری:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الٰہ ہونے کی دلیل نصاریٰ کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، اندھوں اور کوڑھیوں اور بیماروں کو اچھا کر دیتے تھے، غیب کی باتیں بتلا دیتے تھے، مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مارتے تو اس میں جان پڑ جاتی اور وہ اُڑ جاتی تھی، حالانکہ یہ ساری باتیں ان سے اللہ کے حکم سے سرزد ہوتی تھیں، ان کی نبوت کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ان معجزات کو اللہ نے ان کے ہاتھ پر ظاہر کیا تھا، حقیقی ایمان والے ان معجزات کو اللہ کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں یہ سب اللہ کی مرضی اور حکم سے ہوتا تھا؛ نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں کوئی ایسی قدرت تھی۔

وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اس لئے تصور کرتے ہیں کہ ان کا ظاہر میں کوئی باپ نہ تھا، انہوں نے ماں کی گود ہی میں لوگوں سے بات کی تھی، یہ گویا اللہ کی قدرت کی نشانیاں تھیں تا کہ لوگ اللہ کو اسباب کا محتاج نہ سمجھیں، اللہ اپنی قدرت کا اظہار کیا کہ وہ ہر چیز پر ہر اعتبار سے قادر ہے، قرآن کہتا ہے کہ اگر عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدا مانتے ہو تو پھر حضرت آدمؑ بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہو گئے؛ تم ان کو کیا مانو گے؟

حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کھانا بھی کھاتے تھے، سوتے بھی تھے، کام بھی کرتے تھے، گویا وہ ہر چیز کے محتاج تھے۔

تین میں کا تیسرا اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے کلام میں فرمایا: ہم نے کہا: ہمارا امر، ہماری مخلوق، ہم نے فیصلہ کیا وغیرہ، پس اگر اللہ اکیلا ایک ہی ہوتا تو یوں نہ فرماتا؛ بلکہ فرماتا میں نے کیا، میرا امر، میری مخلوق، میں نے فیصلہ کیا، پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تین ہیں: اللہ، مریم اور عیسیٰ، حالانکہ ہم کا لفظ صرف بڑائی وعظمت کے لئے بولا جاتا ہے، الفاظ کا غلط مفہوم لیا گیا۔

اکثر کمزور ایمان والوں میں بزرگوں کی غلط کرامات مشہور ہیں، اور وہ انہی کرامات کے ذریعہ ان میں خدائی قدرت سمجھ کر شرکیہ عقیدہ رکھتے ہیں، چنانچہ کسی کو مشکل کشا کسی کو حاجت روا اور کسی کو حفاظت کرنے والا تصور کرتے ہیں، ان سے اللہ کی طرح محبت رکھتے ہیں، بعض تو اپنی شاعری اور وعظ ونصیحت میں پیغمبر کو خدا کے مقام پر بٹھا دیتے ہیں، حد سے زیادہ غلو کر کے انسان نہیں مانتے، بعض تو پیغمبر کو ہدایت دینے والا کہتے ہیں۔

بنی اسرائیل رسول اکرم ﷺ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے تھے، اس کے باوجود انہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا:

طبرانی میں ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ تجارت کی غرض سے شام گئے، وہاں ان کی ملاقات ایک اہل کتاب عالم سے ہوئی، اس نے پوچھا: ایک شخص نبی ہونے کا تم میں دعویٰ کیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! اگر میں تمہیں ان کی صورت دکھاؤں تو تم پہچان لو گے؟

میں نے کہا: ضرور! چنانچہ وہ مجھے اپنے گھر لے جا کر جہاں بہت سی تصویریں تھیں؛ بتلایا، لیکن کوئی شبیہ حضور ﷺ کی نہ تھی، اسی وقت دوسرا عالم آیا، اس سے گفتگو ہوئی تو وہ اپنے مکان لے جا کر کچھ تصویریں بتلائیں، میری نگاہ ان تصویروں میں سے آپؐ کی شبیہ پر پڑی اور کوئی آپؐ کے پیچھے سے آپ کو تھامے ہوئے تھا، یہ محمد ﷺ کی شبیہ ہے، اس نے کہا: اس نبی کے بعد کوئی نبی نہیں، دوسرا شخص اس کا خلیفہ ہے، میں غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شکل تھی۔

سنن ابوداؤ د میں ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے مؤذن اقرع کو ایک پادری کے پاس بھیج کر بلایا، پوچھا: تم میری صفت اپنی کتابوں میں پاتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! کہا: کیا؟ اس نے جواب دیا: وہ دین میں بہت سخت ہے، فرمایا: اچھا میرے بعد والے کی صفت کیا ہے؟ اس نے کہا: خلیفہ تو نیک و صالح ہے؛ لیکن اپنے قرابت داروں کو وہ دوسروں پر ترجیح دے گا، آخری خلیفہ کے بارے میں اس نے کہا کہ وہ ہوں گے تو نیک خلیفہ لیکن اس وقت بنائے جائیں گے جب تلواریں کھنچی ہوئی ہوں گی اور خون بہہ رہا ہوگا۔

بنی اسرائیل کو ان کی کتابوں میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ جو نشانیاں اور علامتیں آخری رسول ﷺ کی اور ان کے مقام کی اُسے عوام سے مت چھپانا اور خود بھی ان پر ایمان لا کر دوسروں کو بھی ایمان لانے کی ترغیب دینا، مگر یہود و نصاریٰ نے تعصب، جلن و حسد اور غصہ و احساسِ برتری میں مبتلا ہو کر اپنی کتابوں کی نشانیوں کو چھپایا اور عوام کو گمراہ کر کے اسلام کے قریب آنے سے روکا۔

ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ میں کچھ خرید و فروخت کی غرض سے مدینہ آیا، جب تجارت سے فارغ ہوا تو سوچا کہ چلو اس شخص سے بھی مل لوں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، میں بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا، آپ ایک یہودی عالم کے گھر گئے، اس کا نوجوان خوبصورت بیٹا نزع کی

حالت میں تھا، وہ عالم اپنے دل کو تسکین دینے تورات کھولے ہوئے اس کے پاس بیٹھا تلاوت کررہا تھا، حضور اکرم ﷺ نے اس وقت اس سے دریافت کیا کہ تجھے اس کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے! کیا میری صفات اور میرے مبعوث ہونے کی خبر اس میں تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ اس نے اپنے سر کے اشارے سے انکار کیا، اسی وقت اس کا بیمار بیٹا بول پڑا کہ: اس کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے! ہم آپؐ کی صفات اور آپؐ کے آنے کا پورا حال اس تورات میں موجود پاتے ہیں، اور میری تہہ دل سے گواہی ہے کہ معبودِ برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آپ ﷺ اس کے سچے رسول ہیں، پھر کچھ دیر بعد اس کا انتقال ہوگیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس یہودی کو اس کے بیٹے کے پاس سے ہٹاؤ! پھر آپؐ ہی اس کے کفن دفن کے والی بنے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

مستدرک حاکم میں شام بن عاص اموی فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کا ایک وفد جب ہرقل کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے اس کے دربار میں گیا تو اس نے صحابہؓ کا امتحان لینے کے لئے کچھ تصاویر دکھائیں، اور صحابہؓ سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ پھر اچانک ایک تصویر دکھائی جو حضور اکرم حضرت محمد ﷺ کی تھی، صحابہؓ نے حضورؐ کی شبیہ پہچان لی، کہا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس نے کہا ان کی تصویر آخری میں بتلاتا تھا؛ مگر امتحان لینے پہلے بتلا دیا، یہ آخری رسول کی تصویر ہے، ان کے بعد کوئی نبی نہیں، بادشاہ نے پوچھا: کیا یہی شکل تمہارے پیغمبر کی ہے؟ ہم نے کہا: واللہ! یہی ہے، وہ غور سے بہت دیر تک آپؐ کی تصویر کو دیکھتا رہا، ہماری آنکھوں سے آنسو نکل آئے، صحابہؓ نے اس سے دریافت کیا کہ یہ تصاویر آپ کے پاس کہاں سے آئیں؟ اس نے کہا: حضرت آدمؑ نے اللہ رب العزت سے دعاء کی کہ ان کی اولاد میں جو انبیاء ہیں وہ ان سب کو دیکھا، پس اللہ نے ان سب کی صورتیں آپؑ پر نازل کردیں، جو حضرت آدمؑ کے خزانے میں سورج غروب ہونے کی جگہ پر محفوظ تھیں، ذوالقرنین نے انہیں وہاں سے لے کر حضرت دانیالؑ کو دیں۔ (سورۂ اعراف، آیت: ۱۵۷، تفسیر ابن کثیر: ۴۱۱) اس بادشاہ نے محض دنیا کی شان وشوکت اور عزت ومرتبہ کی خاطر اسلام

قبول نہیں کیا؛ حالانکہ صحابہؓ سے حضور ﷺ کی تصویر کی شناخت کر کے وہ پہچان چکا تھا۔

یہود و نصاریٰ آپ کی پیدائش کے مقام اور ہجرت کے مقام سے تک واقف تھے، اور بہت سے تو آپ کی ہجرت سے پہلے ہی مدینہ آ کر آباد ہو گئے۔

شام کے سفر میں بحیرہ راہب نے آپ ﷺ کو کم عمری میں دیکھ کر ہی آپؐ کے آخری نبی ہونے کی تصدیق کی اور آگے لے جانے سے منع کیا تھا، ابو طالب بہت ساری نشانیاں دیکھ کر بھی آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔

بنی اسرائیل اپنی کتابوں کی پیشین گوئیوں سے اللہ سے دعاء کرتے تھے کہ اے اللہ! اس نبی کو جلد بھیج جس کی صفتیں ہم تورات میں پڑھتے ہیں؛ تا کہ ہم اس پر ایمان لا کر اپنا بازو مضبوط کر کے تیرے دشمنوں سے انتقام لیں، وہ لوگ مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کا زمانہ اب بالکل قریب آ گیا ہے، لیکن جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو تمام نشانیاں آپ میں دیکھ لیں، پہچان لیا، دل سے قائل بھی ہو گئے، لیکن چونکہ آپ عرب میں سے تھے؛ تو حسد کیا اور نبوت کا انکار کر کے لعنت کے مستحق ہو گئے۔

یہودی نبی ﷺ کی صفات کی آیتوں کو جو تورات میں ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے اپنی آؤ بھگت مشرکین عرب سے کرواتے تھے، عوام سے نذرانے اور نقدی سمیٹتے رہتے تھے، اس دنیا کے مزوں اور عزت کی خاطر اپنی آخرت خراب کر رہے تھے، انہیں ڈر لگا ہوا تھا کہ اگر حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی سچائی ظاہر ہو گئی اور نبی ﷺ کے دعوے کی تصدیق کی جو آیتیں تورات میں ہیں وہ لوگوں پر ظاہر ہو گئیں تو لوگ نبی ﷺ کے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں بڑا سمجھیں گے، عزت و احترام ان کا کریں گے اور ہمیں چھوڑ دیں گے، اس خوف سے وہ ہدایت اور حق کو جان بوجھ کر چھپانے لگے اور مخالفت کرتے رہے۔

اللہ کے رسول ﷺ مدینہ میں ایک روز یہود کے مدرسہ میں تشریف لے گئے، فرمایا: جو تم میں سب سے بڑا عالم ہے میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں، حضور اکرم ﷺ کو عبداللہ بن صوریا جوان کا سب سے بڑا عالم تھا اس سے ملایا گیا، حضور اکرم ﷺ نے اس کو اکیلے

میں لے جا کر اس کو اس کے دین کی قسم دلائی اور اس سے کہا: سچ سچ بتلا کہ تو یہ جانتا ہے میں اللہ کا رسول ہوں؟ عبداللہ بن صوریا نے کہا: محمد (ﷺ) تم نے مجھے بہت بڑی قسم دے دی، سچ کہنا ہی پڑے گا، میں جانتا ہوں اور یہ قوم سب میری طرح آپ ﷺ کو اللہ کا پیغمبر جانتی ہے، بیشک آپ ﷺ کی صفات، تعریف تورات میں صاف صاف بیان کر دی گئی ہے، لیکن یہ لوگ آپ ﷺ سے حسد کرتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے ابن صوریا سے فرمایا: پھر خود تجھ کو کیا چیز رکاوٹ بنی ہوئی ہے؟ اس نے کہا: مجھے اپنی قوم کی مخالفت کرنا گوارا نہیں، اور جب یہ لوگ آپ کے تابع ہوں گے اور اسلام لائیں گے تب میں بھی مسلمانوں ہو جاؤں گا، اب اگر ایمان لایا تو میرا مقام و مرتبہ اور عزت سب ختم ہو جائے گی۔

☆ ایک صحابی حضرت مسلمہ بن سلامہ بن قیسؓ، بنی عبدالاشہل کے محلّہ میں رہتے تھے، ابھی نبی کریم ﷺ مبعوث نہیں ہوئے تھے، وہ بچے لڑکے تھے، لوگوں میں سب سے چھوٹے تھے، وہیں ایک یہودی بھی رہتا تھا، وہ یہودی ایک دن بنی عبدالاشہل کی مجلس میں آ کھڑا ہوا، اس نے موت کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جانے کا قیامت اور میزان، جنت و دوزخ کا ذکر کیا، لوگ اس زمانہ میں مشرک اور بت پرست تھے، موت کے بعد زندگی کے قائل نہیں تھے، اس کی بات پر لوگ یقین نہیں کئے اور انکار کر دیا، اس نے جہنم کی آگ کی حقیقت سمجھائی، ایک جہنمی جہنم کی آگ سے بچنے کے لئے دنیا کے تنور جیسی آگ میں جانا گوارا کرے گا؛ جس کو تم لوگ خوب جلا کر گرم کرتے ہو، اور اوپر سے بند کر دیتے ہو، لوگوں نے اس سے ان باتوں کی دلیل پوچھی، یہودی نے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان ملکوں میں سے ایک میں پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے، لوگوں نے پوچھا: تیرے نزدیک وہ کب تک آئے گا؟ تو اس یہودی نے سارے لوگوں پر نظر دوڑا کر میری طرف (مسلمہؓ) دیکھا اور کہا جب یہ لڑکا جوان ہو کر اپنی عمر کو پہنچ جائے گا تو اس پیغمبر کا زمانہ تم پاؤ گے، حضرت مسلمہؓ کہتے ہیں ابھی زیادہ دن نہیں گذرے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما دیا اور وہ یہودی بھی ابھی تک ہمارے محلّہ میں زندہ تھا، ہم لوگ نبی کریم ﷺ پر ایمان

لائے، مگر یہودی نے بغاوت اور حسد سے انکار کر دیا، تو ہم نے اس سے کہا: ارے بد بخت کیا تو وہ نہیں ہے جس نے ہم سے فلاں روز اس پیغمبر کے بارے میں ایسا کہا تھا؟ اس نے کہا: ہاں میں نے کہا تھا؛ لیکن یہ پیغمبر نہیں ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے پہلے یہود ہی نے سارے عرب میں یہ تذکرے کئے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، ہم اس کے انتظار میں ہیں، انہی کی بتائی ہوئی نشانیوں سے مدینہ کے انصار نے حضور اکرم ﷺ کو پہچانا اور ایمان لائے۔

وحی الٰہی سے غلط مطلب نکال کر ایمان کا انکار کیا:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ یہودیوں کے ایک مدرسہ میں گئے، وہاں ان کا بڑا عالم فخاص اپنے لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے فخاص کو ایمان قبول کرنے کی دعوت دی اور کہا: اللہ کی قسم! تجھے خوب معلوم ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، وہ حق لے کر آئے ہیں، ان کی نشانیاں تورات اور انجیل میں تمہارے پاس موجود ہیں، تو فخاص نے کہا: ابوبکر سن! اللہ کی قسم! اللہ ہمارا محتاج ہے، ہم اس کے محتاج نہیں، اس کی طرف ہم نہیں گڑگڑاتے جیسے وہ ہماری جانب عاجزی کرتا ہے؛ بلکہ ہم تو اس سے بے پرواہ ہیں، ہم غنی اور تونگر ہیں، اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسے تمہارا پیغمبر کہہ رہا ہے، ہمیں تو سود سے روکتا ہے اور خود سود دیتا ہے، یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غصہ آیا اور فخاص کے منہ پر زوردار طمانچہ مارا اور کہا: جاؤ بدنصیبو! جھٹلاتے ہی رہو، فخاص نے جا کر حضور اکرم ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا: ایسے کیوں مارا؟ آپؓ نے ساری بات سنائی، اس نے فوراً جھٹلا دیا کہ 'میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں'، یہ اسی طرح اللہ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے، وحی کی آیات کا جو چاہے من گھڑت مطلب نکال لیتے تھے۔

سوال:۔ اللہ نے سورۂ قریش میں قریش کے لوگوں کو کیا احساس دلایا اور اس سورہ سے مسلمانوں کو کیا سبق دیا؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ قریش کے ذریعہ قریش کو یہ احساس دلایا کہ تم کو اللہ نے تجارت میں آسانی پیدا کرنے، گرمی و سردی کے سفر کو مختلف ملکوں میں جانا آسان کر دیا اور تم کو کعبۃ اللہ کے مجاور ہونے کی حیثیت سے بھوک اور خوف سے محفوظ کر دیا، سارا عرب رات میں آرام کی نیند نہیں سوسکتا، ان کو دوسرے قبیلوں کے حملوں کا اور ان کے ذریعہ لوٹے جانے کا خوف ہوتا ہے۔ تم بڑے ہی اطمینان اور بے خوف ہو کر سوتے ہو اور محض کعبۃ اللہ کے مجاور ہونے کی حیثیت سے تجارت کا مال لے کر بے خوف سفر کرتے ہو، تم کو تمہارے اس مقام و مرتبے کی وجہ سے کوئی نہیں لوٹتا، تمہاری عزت و احترام کرتا ہے، اللہ نے ابرہہ کو ختم کر کے پورے عرب میں تمہاری عزت بڑھادی، آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو کعبہ ہی کے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں تو تم ان کی مخالفت کر رہے ہو؟ جس رب نے ابرہہ کو ذلیل کیا وہی رب تم کو بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر ذلیل کرسکتا ہے، اس لئے اپنی مخالفت چھوڑ واور سیدھے سیدھے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔

بالکل اسی طرح مسلمانوں کو غیر مسلم علاقوں میں تجارت اور نوکری کی تکالیف پر اللہ نے دوسرے ملکوں میں روزگار کے راستے آسان کر دئے اور مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اللہ کی نعمتیں لوٹ رہے ہیں، مگر جان بوجھ کر قریش کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کر رہے ہیں، اگر ان کا عمل باغیانہ رہا تو وہ ذلیل کر دئے جائیں گے۔

عربوں کے وہ علاقے جہاں کسی زمانے میں غربت، فقر و فاقہ تھا' دنیا کے دوسرے ملکوں والے ان کی مدد کرتے تھے؛ آج وہاں اگر پٹرول اور سونا نکل رہا ہے تو انہیں اللہ کے خوب شکر گذار بندے بن کر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا چاہئے، مگر دولت اور روپیہ پیسہ آتے ہیں وہ عیش و آرام اور مٹی گارے اور نفسانی خواہشات میں لگ کر یہود و نصاریٰ کے دیوانے بن گئے ہیں، دعوتِ دین سے بہت دور ہو گئے ہیں۔

سوال:۔ اللہ نے اصحاب کہف کے قصہ سے مشرکین کو کیا احساس دلایا؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو مشرکین پر پلٹ دیا اور ان کو احساس دلایا کہ آج تم ایمان قبول کرنے اور ایمان قبول کرنے والوں کے لئے وہی رویہ اختیار کئے ہوئے ہو جو رویہ اصحاب کہف کے ساتھ ان کی قوم نے باوجود رشتہ داری اور بھائی ہوتے ہوئے اختیار کیا تھا، اور ایمان قبول کرنے اور بت پرستی چھوڑنے کے بجائے اُلٹا ان کو توحید سے ہٹانے اور قتل کرنے کی دھمکی دی تھی، تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جو اس وقت اقلیت میں ہیں کمزور ہیں وہی رویہ اور سلوک اختیار کر کے اپنی گمراہی کے مقابلہ ایمان کا انکار کر رہے ہو اور ان کو قتل کرنا چاہتے ہو۔

یاد رکھو جس طرح ہم نے اصحاب کہف کی حفاظت کی اور وہ کامیاب ہو کر رہے اسی طرح ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا ساتھ دینے والوں کی حفاظت کریں گے اور وہ کامیاب ہو کر رہیں گے، تم ان کو ہماری مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے، اللہ اپنی روشنی مکمل کر کے رہے گا اور اپنے بھیجے ہوئے دین کو قیامت تک کے لئے قائم کر کے رہے گا، ہر زمانے میں مشرک اور کافر لوگوں نے اس کی روشنی کو اپنی معمولی پھونکوں سے مٹانا چاہا مگر مٹا نہ سکے، یہ دین قائم ہو کر رہا ہے اور ہو کر رہے گا۔

سوال:۔ اللہ نے ایمان والوں کو اصحابِ کہف کے واقعہ سے کیا سبق دیا؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ سے یہ تعلیم دی کہ مسلمان کسی بھی ملک میں رہیں وہاں اگر وہ اقلیت ہی میں کیوں نہ ہوں' اصحابِ کہف کی مثال ذہن میں رکھیں، جو اپنے زمانہ کے مشرکانہ ماحول میں باوجود اقلیت میں ہونے کے اللہ پر ایمان لائے تھے اور ان کی حکومت نے ان سے ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کرنے اور مشرک بن جانے کا مطالبہ کیا تھا، ورنہ جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی، اس پر وہ اپنے ایمان کی حفاظت اور آخرت کی بربادی سے بچنے کے لئے مشرکانہ ماحول سے نکل کر شہر چھوڑ کر جنگل چلے گئے اور اپنے ایمان کی حفاظت کئے، باوجود دولت مند گھرانوں سے ہونے

کے دنیا کے عیش وآرام میں رہنے والے غار کی تکلیف دہ زندگی برداشت کئے، اصحابِ کہف پوری قوم میں سات ہی تھے، انہوں نے اکثریت کی پرواہ نہیں کی اور نہ گھبرا کر موت کے ڈر سے ایمان کا انکار کیا، کفر وشرک کے مقابلہ میں ایمان کی حفاظت کی اور ایمان کی حفاظت کے لئے دنیا کا عیش وآرام، شاہی شان وشوکت کی زندگی کو چھوڑ دینا گوارا کیا، اہل وعیال کو چھوڑا، ایمان کو بچانے کے لئے جو طریقہ بھی ان کی سمجھ میں آیا اللہ پر بھروسہ کر کے اختیار کیا، اللہ نے ان کے اس مجاہدے پر مدد بھی فرمائی، اسی طرح ایمان والے بھی ہر حالت میں اپنے ایمان اور آخرت کی حفاظت کرنا اور دنیا کی سب سے قیمتی دولت ایمان سے منہ نہ موڑنا اور صرف اللہ ہی سے ڈرنا، انسانوں سے نہ ڈرنا، اللہ کی مشیت ومرضی کے بغیر کسی پر موت نہیں آتی اور نہ کوئی کسی کو فائدہ اور نقصان پہنچا سکتا ہے، ہر انسان کو بہر حال ایک نہ ایک دن دنیا چھوڑ کر مرنا ہے، اگر کوئی کسی مسلمان کو نقصان پہنچانا چاہے تو زیادہ سے زیادہ قتل کر سکتا ہے، اس میں بھی اس کو شہید کا درجہ ملے گا، اللہ کی خاطر، ایمان کے بچاؤ کی خاطر شہید ہو جانا سب کی قسمت میں نہیں ہوتا، یہ دنیا کا عیش وآرام، دنیا کی دولت، عزت، شہرت اور اقتدار سب مختصر وقت کے لئے ہے، ایمان وعمل صالح کے مقابلے میں کوئی چیز ساتھ آنے والی نہیں، سب کچھ لُٹ جائے مگر ایمان لٹنے نہ پائے، شیطان ایمان کا سب سے بڑا لٹیرا ہے۔

سوال:۔ اللہ نے واقعۂ یوسفؑ کے ذریعہ مشرکین کو کیا احساس دلایا؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے واقعۂ یوسفؑ کو بھی پوری طرح مشرکین مکہ پر پلٹ دیا اور یہ تعلیم دی کہ جس طرح حضرت یوسفؑ کے بھائی باوجود ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے انہوں نے حضرت یوسفؑ سے باپ کی چاہت، سلوک اور ان کی ترقی کی باتیں سن کر جلن وحسد میں مبتلا ہو گئے اور ان کو قتل کرنا چاہا، ان کے ساتھ بے عزتی کا سلوک کیا، اور اپنے وطن سے نکال دیا، اسی طرح تم بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور رشتہ دار ہو کر ان پر اللہ کی عنایتیں اور مقام ومرتبہ عطا کرنے پر حسد وجلن میں مخالفت پر اُتر گئے ہو اور

ان کو قتل کرنا چاہتے ہو، ایمان قبول کرنے اور ان کا ساتھ دینے کے بجائے اُلٹا ان پر ظلم کر رہے ہو اور وطن سے باہر جانے پر مجبور کر رہے ہو، تمہاری یہ حرکت بالکل اسی طرح کی ہے جس طرح حضرت یوسفؑ کے ساتھ ان کے بھائیوں نے کی تھی، جس طرح وہ کامیاب نہ ہو سکے تم بھی کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔

یاد رکھو! جس طرح ہم نے حضرت یوسفؑ کو کامیاب کیا، عزت عطا کی اور ان کے بھائیوں کو ان کے سامنے مجبور و محتاج بنا کر ٹھہرایا' اسی طرح تمہارا حال بھی یہی ہوگا، تم ایک دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجبور و محتاج بن کر کھڑے ہوں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر غلبہ پا کر اقتدار حاصل کریں گے اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو عزت و کامیابی ملے گی، جو اسلام کو مٹانا چاہے گا وہ ذلیل اور ناکام ہو کر رہے گا۔

سوال:۔ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں اللہ نے چاند' سورج اور ستاروں کے تذکرہ سے توحید کی کس طرح تعلیم دی؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کو پیش کر کے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ جن چیزوں میں تغیر و تبدیلی آتی ہے، جن میں عروج و زوال ہے، جو پیدا ہو کر غائب ہو جاتے ہیں، وہ خدا نہیں ہوتے، اللہ تو ہر قسم کے عروج و زوال سے پاک ہے، اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، اس میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی، چاند' سورج اور ستارے ہمیشہ طلوع اور غروب ہوتے رہتے ہیں، ان میں عروج و زوال ہے، ان کی حالت یعنی روشنی ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی، وہ گہن کے وقت اپنی روشنی کھو دیتے ہیں، وہ مخلوق ہیں، ان میں تغیرات ہوتے ہیں، وہ نہ سجدہ کے قابل ہیں نہ پرستش کے لائق، عبادت اور پرستش کے لائق صرف اور صرف ان کا مالک اللہ ہے، سورج' چاند اور ستاروں کی روشنی صرف دنیا میں ہے، آسمانوں میں نہیں، زمین کے اندر نہیں، پانی کے اندر نہیں، کہیں پر وہ چھ مہینے تک طلوع نہیں ہو سکتے، گرمی، سردی اور برسات میں الگ الگ انداز میں نکلتے ہیں، وہ ہر اعتبار سے اللہ کے مجبور اور محتاج ہیں۔

سوال:۔ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں مکھی اور بُت کا تذکرہ کر کے توحید کی کیسے تعلیم دی؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کو بھی گمان کی بنیاد پر معبود بناتے ہو ان کی بے بسی اور محتاجی کا یہ عالم ہے کہ نہ وہ بات کر سکتے ہیں، نہ چل سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، وہ ایک مکھی اور مچھر تک نہیں بنا سکتے، اور جو تم مٹھائی اور چڑھاوا ان باطل معبودوں پر چڑھاتے ہو یا سامنے رکھتے ہو اگر ایک مکھی اس مٹھائی پر بیٹھ جائے تو نہ اس کو اُڑا سکتے ہو اور وہ اپنے پیروں کو کچھ مٹھائی کا ذرّہ لگا لے تو یہ باطل معبود اس مکھی سے اتنی سی چیز بھی نہیں چُھڑا سکتے، اتنی مجبوری اور بے بسی کے باوجود تم ان کو کیوں پکارتے ہو؟ وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟ وہ بت بھی ناکارہ اور اس کی عبادت کرنے والا بھی ناکارہ ہوگا۔

سوال:۔ اللہ نے حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کو ایمان کس طرح سمجھایا؟

جواب:۔ جب حضرت عکرمہؓ مکہ فتح ہو جانے کے بعد اپنی جان بچانے کے لئے سمندر کے راستے سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہو گئے تو کشتی بھنور میں آ گئی، ملّاح نے کہا: یہاں صرف ہمیں اللہ ہی بچانے والا ہے، وہی مصیبت میں ہماری حفاظت کرتا ہے، کوئی بت کوئی دیوتا اب یہاں مدد نہیں کر سکتا، اسی لئے اللہ کو مدد کے لئے پکارو، یہ سن کر انہیں فوراً یہ احساس ہوا کہ جب زمین پر اور سمندر میں اللہ ہی مدد کرنے والا ہے اور کوئی دیوی دیوتا اور بُت مدد نہیں کر سکتے، تو پھر خشکی پر بھی اللہ ہی مدد کر سکتا ہے، خوشی اور ہر حال میں وہی مدد کر سکتا ہے، یہی دعوت تو محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دے رہے ہیں، میں نے عقل کا استعمال نہ کر کے ان کا دشمن بن گیا، خواہ مخواہ میں سچائی کے خلاف چلا گیا، دعاء کی کہ اے اللہ! اگر میں بچ گیا تو مکہ جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لے آؤں گا، اللہ نے انہیں بھنور سے بچا لیا اور ان کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لے کر ساحل کے پاس آ چکی تھی، ان کو بلایا اور ساتھ لے جا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا، اس طرح وہ ایمان لے آئے، زمین یا سمندر میں مصیبت وغم اور راحت وخوشی ہر حال میں اللہ

ہی مدد کرنے والا ہے؛ اسی بات نے حضرت عکرمہؓ کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

سوال:۔ رسول اللہ ﷺ نے انسان پر راحت و تکلیف کے حالات میں کس حکمت کے ساتھ ایمان کی دعوت دی تھی؟

جواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابیؓ کے والد اکثر آیا کرتے تھے، آپؐ نے ان کو کئی مرتبہ ایمان قبول کرنے کی دعوت دی، مگر انہوں نے قبول نہیں کیا، ایک دن وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے ان سے پوچھا: بتایئے آج کل آپ کتنے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: دس معبودوں کی، اس پر آپؐ نے پوچھا کہ: ان دس میں سے مصیبت پر کون ساتھ دیتا ہے؟ تب انہوں نے جواب دیا: مصیبت میں تو اللہ ہی ساتھ دیتا ہے، اس جواب پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر خاموش ہو گئے، کچھ نہیں فرمایا، وہ اُٹھ کر چلنے لگے، راستے میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال اور اپنے جواب پر غور کیا اور پھر حضورؐ کے مسکرانے کو ذہن میں لایا، پھر خود ہی سمجھ گئے کہ میں نے کوئی عقلمندی والا نہیں بلکہ بیوقوفی والا جواب دیا، اس لئے حضورؐ میرے جواب پر مسکرا کر خاموش ہو گئے، گویا میں نے جواب دینے میں عقل کا استعمال نہ کر کے بیوقوفی کی، واقعی حقیقت تو یہ ہے کہ جو مصیبت میں مدد کرتا ہے وہی حقیقی دوست اور مددگار ہوتا ہے، پھر خوشی میں بھی وہی مدد کرے گا، اور جو مصیبت میں ساتھ نہ دے وہ لائق تعظیم نہیں ہوتا، واپس آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ ایمان قبول کیا۔

منافقین کے ایمان قبول نہ کرنے کی کیا وجہ ہوئی؟

سوال:۔ منافق کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سارے لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے اللہ کا پیغمبر نہیں مانتے تھے، مسلمانوں کو بظاہر احساس دلانے

کے لئے کلمہ پڑھتے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، نماز بھی پڑھتے، روزے بھی رکھتے، دین کی مدد کے لئے مال بھی خرچ کرتے' مگر وہ مسلمان نہیں تھے، ان کا ظاہر ایک تھا باطن ایک، ان کو منافق کہا گیا، ان میں مشرک اور یہود دونوں شامل تھے۔

سوال:۔ اسلام نے منافقین کی کیا کیفیت بیان کی؟

جواب:۔ یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم مسلمان ہیں، غیر مسلموں سے ملتے تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں، ان کو مسلمانوں کے خلاف اُکساتے اور لڑائی کے مشورے دیتے اور مدد کرنے کا یقین دلاتے تھے، اور کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اپنے مقدمات غیر مسلموں کی عدالتوں میں لے جا کر رشوت دے کر دنیا کے مال کی خاطر اپنے حق میں فیصلے کروانا چاہتے تھے، اسلام کا ساتھ دینے سے بچنے کے لئے مختلف حیلے بہانے کر کے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے، بات کرتے تو جھوٹ بولتے، بات کرتے تو غیبت کرتے اور گالیاں دیتے، امانت میں خیانت کرتے، وعدہ کرتے تو وعدہ خلافی کرتے۔

سوال:۔ منافقین کے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ کیا تھی؟

جواب:۔ جب اسلام مدینہ پہنچا تو بہت سے گھرانوں اور خاندان کے بعض حضرات ایمان قبول کر چکے تھے، ان میں منافقین کی اولادیں رشتے دار اور دوست احباب سب ہی تھے، منافقین کے کاروبار سب لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے، ان کی لڑکیاں بہت سے وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے تھے ان کے پاس بیاہی گئی تھیں، مسلمانوں کی طاقت غلبہ اور اقتدار بڑھ رہا تھا، تو منافقین اپنے کنبے والوں کے ساتھ رہنے، اولاد کے سہارے سے محروم نہ ہونے اور تعلقات کو برباد ہونے سے بچانے اور ان کی مدد اور سہارے سے محروم نہ رہنے کاروبار کے نقصان سے بچنے کی خاطر اور مسلمانوں کے غلبہ پر نقصان سے بچنے اور مالی فائدوں کی خاطر ظاہری طور پر ایمان کا تو اقرار کر چکے تا کہ دنیا کا فائدہ بھی ہو اور نام و نمود کے ذریعہ نقصان سے محفوظ رہیں تا کہ خاندان کے لوگ تائید اور مدد کے لئے تیار رہیں، اس لئے وہ

حقیقی ایمان قبول کرنے سے دور رہے۔

سوال:۔ کیا ہر زمانے میں مسلمانوں کے ساتھ منافقین موجود رہے؟

جواب:۔ ہاں! ہر زمانے میں مسلمانوں کے ساتھ منافقین رہے، انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو اور ان کی حکومتوں کو غیر مسلموں سے مل کر نقصان پہنچایا اور اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کی، اسلامی احکام کو بدلنے کی آواز اُٹھائی۔

سوال:۔ یہود و نصاریٰ کے ایمان قبول نہ کرنے میں کونسی چیز رُکاوٹ بنی؟

جواب:۔ یہود و نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے پہنچانتے تھے جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل میں بھیجے گئے تھے، اس لئے تعصب، حسد، جلن، بغض اور نسل پرستی نے ان کو حق قبول کرنے سے دور کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیلؑ (جو ان پر عذابات سابقہ زمانوں میں لائے تھے) کے وحی کے لانے سے بھی ان کے نفس نے ان کو اسلام سے دشمنی پر اُبھارا اور ایمان قبول کرنے سے دور رکھا، وہ اپنے آپ کو اعلیٰ پڑھے لکھے سمجھتے اور عربوں کو اُمّی اور اَن پڑھ قوم سمجھ کر حقارت کرتے تھے، پھر قرآن نے ان کی ساری شرارتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا، اسی دشمنی میں وہ ایمان قبول کرنے سے دور رہے، اسی طرح ہر زمانے میں اکثر انسانوں نے حق کو دوسری جماعت یا گروہوں کی طرف سے پیش کرنے کی وجہ سے حق کا انکار کیا، سچائی کا ساتھ نہیں دیا۔

سوال:۔ منافقین اور یہود و نصاریٰ کس طرح ایمان والوں کو بزدلی یا شک میں مبتلا کر کے ایمان سے ہٹانا چاہتے تھے اور ان کے اتحاد کو کس طرح توڑنا چاہتے تھے؟

جواب:۔ جب غزوات ہو رہے تھے تو منافقین؛ مسلمانوں کی کامیابیوں پر جلن و حسد میں مبتلا ہو رہے تھے اور اندر ہی اندر یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے ساز باز رکھ کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے، اور عین غزوات کے وقت ان کے مشورے قبول نہ کرنے کا

بہانہ بنا کر راستے سے اپنے ساتھیوں کو لے کر الگ ہو جاتے؛ تا کہ نئے نئے مسلمانوں میں کمزوری، بزدلی اور گھبراہٹ پیدا ہو جائے اور مسلمان طاقت میں کمزور ہو کر شکست کھا جائیں، یا پھر جھوٹے بہانے بنا کر غزوات میں شریک نہیں ہوتے تھے، یہود خاص طور پر مشرکین مکہ سے اندرونی ساز باز رکھتے اور مشرکین کو ہمت دلانے کے لئے ان کے حق پر ہونے کا احساس دلا کر ان کو لڑائی کے لئے تیار کرتے تھے اور باطل کے مقابلے میں حق سمجھانے کے بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو باطل کہتے تھے، وہ یہ بھی منصوبہ بنائے رکھتے تھے کہ دکھاوے کے لئے صبح ایمان لانا پھر شام تک یا کچھ وقفہ بعد ایمان سے انکار کر دینا تا کہ اسلام میں داخل ہونے والے نئے نئے مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کر دینا اور اسلام کا ساتھ چھوڑ دینا۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو نقصان ہونے پر منافقین اور یہود نے یہ پروپگنڈے کئے کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) اگر سچے نبی ہوتے تو اللہ کا نبی نقصان کیسے اُٹھاتا؟ زخمی کیسے ہوتا؟ یہ پیغمبر نہیں ہے بلکہ اپنی مرضی سے سارے منصوبے بناتے ہیں اس لئے ناکام ہو گئے، نبی ہو کر عام انسانوں سے کیوں مشورہ لیتے ہیں؟ ہمارے مشورہ قبول کرتے تو کبھی نقصان نہ اُٹھاتے تھے، نبی کی بیوی پر غلط الزام لگا کر مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہا، ان کے اتحاد واتفاق کو ختم کرنا چاہا، بار بار انصارؓ کو طعنے دے کر چھوٹی چھوٹی باتوں پر مہاجرینؓ سے لڑانا چاہتے تھے، یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد نئے نئے مسلمانوں کو مالِ غنیمت زیادہ دینے پر انصارؓ کے نوجوانوں کو ورغلایا اور کہا کہ محمد (ﷺ) نے آخر اپنے وطن والوں ہی کو ترجیح دی۔

سوال:۔ فتح مکہ کے بعد جوق در جوق لوگوں کے ایمان قبول کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کی کیا وجہ تھی؟

جواب:۔ جس وقت مکی زندگی میں رسول اللہ ﷺ دعوتِ ایمان دے رہے تھے تو لوگوں میں چار گروپ بن گئے تھے۔

(۱) ایک گروپ دعوتِ ایمان دے رہا تھا۔

(۲) دوسرا گروپ دعوتِ ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے دعوتِ ایمان کو روکنا چاہ رہا تھا۔

(۳) جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا رہے تھے ان پر مخالف بت پرست گروپ ظلم و زیادتی اور مار پیٹ کر رہا تھا، وہ لوگ تکالیف جھیل کر بھی صبر کرتے ہوئے ایمان چھوڑنے تیار نہیں تھے۔

(۴) چوتھا گروپ ان تینوں گروہوں کا جائزہ لیتے ہوئے تماشائی بنا ہوا تھا، ان میں اس ظلم و زیادتی کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں تھی، یہ لوگ جائزہ یہ لے رہے تھے کہ آخر دعوت کیا دی جا رہی ہے؟ اور اس دعوت کی مخالفت کیوں کی جا رہی ہے؟ اور مخالفت کرنا عقلمندی ہے یا جہالت؟ پھر دعوت قبول کرنے والوں کی زندگیوں میں کیا تبدیلی آ رہی ہے؟

خاص طور پر صلح حدیبیہ کے بعد جب مکہ اور مدینہ کے لوگ ایک دوسرے سے ملنے اور آنے جانے لگے تو انہوں نے اپنے رشتہ داروں، دوست احباب کی پہلی زندگی کے مقابلے میں ایمان قبول کرنے کے بعد کی زندگیوں کا جائزہ لیا، تو زبردست تبدیلی اور انقلاب اور فرق محسوس کیا، وہ لوگ جو ایمان قبول کرنے سے پہلے زنا، شراب، بے ایمانی، چوری، ڈاکہ، ظلم و زیادتی اور لڑائی جھگڑے کے عادی تھے ایمان قبول کرنے کے بعد حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کی صحبتوں سے فیض یاب ہو کر نورانی چہروں والے فرشتہ صفت بن گئے، ان کی زندگیوں میں اخلاق رذیلہ کی جگہ اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ نے لے لی، رسول ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات سے ان کی زندگیوں میں اندھیرے اور اجالے کا فرق پیدا ہو گیا، ان کو کھلے طور پر بت پرستوں کی زندگیاں باطل، گندی، ناپاک اور مجرمانہ دکھائی دینے لگیں، اور وہ جان گئے کہ بت پرست ان کی مخالفت کر کے کیسی جاہلیت میں مبتلا ہیں، حقیقت میں اسلام حق ہے اور بت پرستی باطل ہے، محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں، اسی لئے وہ کعبۃ اللہ پر فتح حاصل کر سکے، چنانچہ جیسے ہی اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو کمزور لوگ جو مکّی حالات میں حق و باطل کا مشاہدہ کر رہے تھے اور دیہاتوں کے لوگ صحابہؓ کی زندگیوں کو دیکھ کر حق و

باطل کا فرق سمجھ گئے تھے وہ فتح مکہ کے بعد جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔

بالکل یہی حالات قیامت تک ہر زمانے میں دنیا کے انسانوں کے سامنے آئیں گے، کوئی دعوتِ ایمان دے گا، کوئی اس کی مخالفت کرے گا، کوئی ایمان قبول کر کے ظلم سہے گا، اور کوئی ان تینوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے جائزہ لے گا، اور غیر مسلم ایمان والوں پر ہونے والے مظالم اور زیادتی پر صبر کو دیکھتے ہوئے غور و فکر کریں گے اور ان کو کھلے طور پر حق و باطل سمجھ میں آئے گا۔

سوال:۔ قرآن مجید کی کس سورۃ میں بعض لوگوں کو ایمان والا نہیں مانا گیا؟ اور کیوں نہیں مانا گیا؟

جواب:۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو سنہ نو ہجری میں تمام عرب سے وفود آنے لگے، اس لئے اس سال کو عام الوفود کہا گیا، اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے، لوگوں کی بہت بڑی تعداد جو یہ محسوس کر چکی تھی کہ اب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہیں کر سکتے، مسلمان اقتدار کے اعتبار سے مکمل کنٹرول رکھتے ہیں، بہتری اور حفاظت تو اسی میں ہے کہ ہم اسلام میں داخل ہو جائیں۔

منافقین کو علاحدہ رکھئے، ظاہر بات ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایمان قبول کرنے والوں کی کیفیت وہ نہیں تھی جو مکہ فتح ہونے سے پہلے ایمان لانے والوں کی کیفیت تھی، یہ لوگ منافق بھی نہیں تھے، اس لئے کہ سورۂ حجرات کی آیات: ۱۵، ۱۶ میں مسلمانوں کے ایک گروہ کے ایمان قبول کرنے پر ان کے اسلام کو قبول کیا جا رہا ہے، مگر ایمان کی نفی کی جا رہی ہے، گویا یہ لوگ نہ منافق تھے اور نہ ایمان والے، قرآن کہتا ہے: کچھ بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، تم یہ کہو کہ تم ایمان نہیں لائے، بلکہ اسلام لائے ہو، یعنی اطاعت قبول کر لی، ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، حالت یہ تھی کہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے لوگوں کو ستایا اور نکالا جا رہا تھا، مارا پیٹا جا رہا تھا، ان کی جان اور مال کو لوٹا جا رہا تھا، ایمان قبول کرنا دل گردے کی بات تھی، اس لئے بہت سارے لوگ ان حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے،

ان کی کیفیت بھی وہ نہیں تھی جیسے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں کی تھی، یعنی ان کے دلوں میں کیفیت ویسے پیدا نہیں ہوئی تھی جیسے اولین صحابہؓ کی کیفیت اور ان کے دلوں کا حال تھا، اس لئے فرمایا گیا: یہ مت کہو کہ ہم ایمان لائے، بلکہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت وفرمانبرداری قبول کرلی ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کئے جاؤ، اسلام کے ساتھ وفاداری کرتے رہو، تو اللہ تم میں وہ ایمانی کیفیت دے کر تمہارے نیک اعمال قبول کرلے گا، جو لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہورہے تھے، وہ اسلام یعنی اطاعت پر زندگی گذارنا شروع کرچکے تھے، ان کو اسلام سے، رسول ﷺ سے، قرآن سے اور اللہ سے بغض وعداوت نہیں تھی، وہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کی مخالفت نہیں کرتے تھے، چنانچہ اسی اطاعت کی برکت کا نتیجہ ہوا کہ ان میں یقین کی کیفیت بڑھتی گئی اور دل میں ایمان اترتا گیا۔

سوال:۔ ہم میں اور صحابہؓ میں دینی تعلیم کے ملنے کا فرق کیا ہے؟

جواب:۔ ہم میں اور صحابہؓ میں دینی تعلیم کے ملنے کا سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ صحابہؓ کو ایمان پہلے ملا اور اسلام بعد میں ملا، مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کو ایمان کی دعوت دے رہے تھے، چنانچہ صحابہ کرامؓ کو ایمان پہلے ملا جس کی وجہ سے ان میں یقین کی کیفیت بہت مضبوط اور پختہ تھی، پھر بعد میں آہستہ آہستہ اسلام ملا، اسی لئے ان کا یہ مشہور قول ہے کہ ہم نے ایمان پہلے سیکھا بعد میں قرآن کی تعلیم حاصل کی، قرآن آہستہ آہستہ ۲۳ رسال میں نازل ہوا۔

سوال:۔ کیا اِس زمانہ میں مسلمانوں کی اولاد کو ایمان پہلے مل رہا ہے؟

جواب:۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے بچوں کو اعمال یعنی اسلام کی اطاعت کی تعلیم پہلے مل رہی ہے، ایمان کی تعلیم سرسری اور نہیں ملنے کے برابر ہے، گہرائی کے ساتھ ایمان نہیں سمجھایا جاتا، کبھی اللہ کا تعارف اور پہچان پر تعلیم نہیں ملتی، اس کے صفاتی ناموں کو برکت کے طور پر طغروں میں لکھ کر گھروں میں دیواروں پر لگا دیا جاتا ہے یا برکت کے لئے پڑھا جاتا ہے۔

جیسا جیسا زمانہ رسول اللہ ﷺ سے دور ہوتا چلا گیا مسلمانوں کی اولاد کو پیدائشی طور پر مسلمان سمجھ کر سب سے پہلے اسلام (اطاعت) کی تعلیم ملنے لگی اور ایمان سطحی اور قانونی اور بے شعوری والا ملنے لگا، ان کو ایمان کی گہرائی نہیں بتلائی جانے لگی، جس کی وجہ سے ان کے ایمان میں یقین کی بہت بڑی کمی پیدا ہوگئی اور وہ اسلام پر مجاہدے کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے، بہت سے تو اللہ کی پہچان ہی صحیح نہیں رکھتے، باوجود یہ کہ وہ اللہ سے، رسول اللہ ﷺ سے، اسلام سے محبت کرتے، قرآن پڑھتے، اس کا احترام کرتے، مگر شرک کی حقیقت سے واقف نہیں، مشرک انسانوں سے چڑتے مگر خود بے شعوری میں شرک میں گرفتار ہیں، بہت سارے اسلامی احکام کی جان بوجھ کر خلاف ورزی کرتے ہیں، اسلام کے مقابلے غیر اسلام کو پسند کرتے، موجودہ زمانہ کے اکثر مسلمان نہ منافق ہیں اور نہ مشرک، مگر ان میں منافقانہ اور مشرکانہ عقائد و اعمال آگئے ہیں، موجودہ زمانہ میں اکثر مسلمان فقہی، قانونی اور بے شعوری والا ایمان رکھتے ہیں، ان کی کیفیت بھی سورۂ حجرات میں بیان کردہ گروپ جیسی ہوگئی ہے۔

سوال:۔ انسان میں مجاہدے کی طاقت کب پیدا ہوسکتی ہے؟

جواب:۔ کائنات کی مخلوقات میں صفاتِ الٰہی کو سمجھنے سے ایمان پیدا ہوتا ہے، اور ایمان کے بڑھنے سے انسان اعمالِ صالحہ کا مجاہدہ کرسکتا ہے، قرآن مجید کی سب سے پہلی وحی میں بھی اللہ کی پہچان دے کر گویا ایمان پیدا کرنے کی تعلیم دی گئی تاکہ انسان میں ایمان کی طاقت پیدا ہوکر وہ برائیاں چھوڑ سکے، مجاہدہ (اعمالِ صالحہ) کرنے کا پورا تعلق ایمان سے ہے۔

اعمالِ صالحہ کے لئے مجاہدے کا ہونا ضروری ہے، اور اس مجاہدے کے لئے قوت و طاقت چاہئے اور وہ قوت و طاقت عقیدۂ ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہے، مثلاً ایک بچے سے کہا جائے کہ وہ ۱۰ر کیلو کا وزنی پتھر اٹھالے، تو وہ بچہ اتنی طاقت ہی نہیں رکھتا کہ وہ ۱۰ر کیلو کا پتھر اٹھاسکے، اس پتھر کو اٹھانے کے لئے پہلے اس میں طاقت بڑھانی ہوگی، جب وہ ورزش کرکے طاقتور ہوجائے گا تو ۱۰ر کیلو تو کیا ۵۰ر کیلو کا پتھر بھی اُٹھالے گا، یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس میں طاقت آجائے، بس آج معاشرے میں کمزور و ناتواں انسان؛ جس میں ایمانی طاقت کی

بہت بڑی کمی ہے ان کو صحابہؓ جیسے مجاہدے اور اعمال کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے جس کی وجہ سے وہ بس سنتے تو ہیں لیکن عملی مجاہدہ نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ان کے پاس اعمالِ صالحہ کرنے کی طاقت ہی نہیں، اس لئے کہا گیا کہ ''عمل کیا ہے؟ ایمان کا عکس اور سایہ ہے!'' جیسا ایمان ہوگا عمل بھی ویسا ہی نکلے گا، عمل کیا ہے؟ ایمان کا پروڈکشن ہے، مشین میں خرابی ہو تو وہ یا تو مال بنا ہی نہیں سکتی یا ناقص مال دے گی، برف میں ٹھنڈک نہ ہو تو وہ برف' برف نہیں فوٹو اور پتھر ہے، آگ میں گرمی نہیں تو وہ آگ' آگ نہیں فوٹو ہے، موجودہ زمانے میں تشخیص کا طریقۂ کار غلط چل رہا ہے، بے شعور، روایتی، خاندانی اور قانونی وفقہی ایمان والوں کو جو پیدائشی طور پر بے شعور، بے دین مسلم ماں باپ کے گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں ان کو حقیقی اور شعوری ایمان کی تعلیم دئے بغیر بس اعمالِ صالحہ کرنے اور برائیوں کو چھوڑنے کی تعلیم دی جارہی ہے، چونکہ ان کے پاس ایمانی قوت نہیں ہے یا کم ہے، اس لئے وہ گناہ والی اور بداعمالیوں کی زندگی کو نہیں چھوڑ رہے ہیں اور دین میں پورے پورے داخل نہیں ہو پارہے ہیں۔

تمام پیغمبروں نے جب اپنی اپنی دعوت کا آغاز کیا تو انہوں نے اپنے معاشرے میں برائیوں اور گناہوں کو دیکھ کر پہلے اصلاحِ معاشرہ کا کام نہیں کیا کہ پہلے معاشرے سے بڑے بڑے گناہوں کو ختم کر کے پھر ان کو ایمان کی تعلیم نہیں دی؛ بلکہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی باوجود مکہ میں کثرت سے شراب، جوا، لوٹ مار، چوری و ڈکیتی، زنا، قتل وغارت گری، بے حیائی و بے شرمی اور سود وحرام خوری اور ظلم وزیادتی جیسے بڑے بڑے جرائم کو دیکھنے کے باوجود ہمارے آقاؐ اور تمام پیغمبروں نے انسانوں کو ایمان لانے کی دعوت دی، جس کی وجہ سے ان میں ایمان کی طاقت بڑھنے لگی اور آہستہ آہستہ اعمال صالحہ اختیار کرنے کے احکام اترتے گئے، ابتداء میں نماز کو حالتِ نشہ میں بھی پڑھنے کی اجازت تھی، شراب، سود، مدینہ میں حرام ہوئے، پردہ کا حکم مدینہ میں آیا۔

مگر آج ہم پیدائشی مسلمانوں کو حقیقی اور شعوری ایمان والا سمجھ کر ان کو ایمان کی تعلیم دئے بغیر اعمال صالحہ کی تعلیم دیتے ہیں، اسی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بے انتہاء محنتیں

ہونے کے باوجود فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو رہا ہے، اور ہر مسلمان اسلام پر عمل کرنے کے باوجود اپنے اندر بے چینی و بے قراری محسوس کر رہا ہے، اس کو سکون نہیں؛ وہ کسی چیز کی اپنے اندر کمی محسوس کر رہا ہے؛ اور یہ کمی دنیا کے کسی ایک علاقے اور قطے میں نہیں بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں ہے، اس لئے کہنا پڑے گا کہ تشخیص کا طریقہ صحیح نہیں ہے، جس کو درست کرنا ضروری ہے، یہاں ہم حقیقی اور شعوری ایمان کی گفتگو کر رہے ہیں۔

ایمان اور اعمال کیا ہیں؟

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن ہونے کی آرزو کرتے رہنے اور مؤمنوں کا سا حلیہ بنا لینے سے انسان مؤمن نہیں ہو جاتا بلکہ ایمان وہ پختہ عقیدہ ہے جو انسان کے دل میں پوری طرح پیوست ہو جاتا ہے اور انسان کے عمل سے اس کی تصدیق ہوتی رہے۔

اگر انسان کا عقیدہ اچھا ہو اور نیت بھی اچھی ہو مگر زندگی میں عمل صالح نہ ہو تو ہم کیسے مسلمان رہیں گے؟ بے پردگی، مردوں اور عورتوں کا اختلاط، نیم عریانیت، ناچ گانا، بجانا، فضول خرچی، قبروں پر سجدے کرنا اور غیر اللہ سے منتیں و مرادیں مانگنا، مدد مانگنا، دعاء مانگنا اور نماز نہ پڑھنا، کیا اس کو اسلام کہتے ہیں؟ اور کیا یہ مسلمانیت ہے؟

صحابہ کی زندگیوں میں ایسے اعمال نہیں تھے، وہ عقیدہ بھی صحیح رکھتے تھے اور عمل سے اسلام کی مخالفت نہیں کرتے تھے، صحابہؓ اچھی طرح جانتے تھے کہ محض دل میں چھپی نیت اسلام نہیں ہو سکتی، جب تک اس نیت کے واضح اثرات عمل سے پوری طرح ظاہر نہ ہوں، عقیدہ اور عمل ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں، ان کے نزدیک بازار کی زندگی، گھر کی زندگی، تجارت و نوکری والی زندگی، شادی بیاہ والی زندگی، اہل و عیال والی زندگی اور دوستی و تعلقات والی زندگی، غرض دین اور دنیا کی زندگی الگ الگ نہیں تھی، دونوں ایک ہی تھے، ایسا معاشرہ صرف پختہ ایمان ہی سے پیدا ہوتا ہے، اس معاشرہ کے ہر فرد کی زندگی میں ہر

عمل سے ایمان کی گرمی وحرارت نظر آتی ہے، ان کے ہر عمل سے ایمان کا اظہار اور روشنی ظاہر ہوتی ہے، اسلامی معاشرہ عقیدۂ ایمان کے پختہ ہونے سے بنتا ہے، اسلامی معاشرہ عقیدۂ ایمان سے الگ نہیں ہوتا، صحابہؓ جانتے تھے کہ جس طرح زمین پر اللہ کا قانون نافذ ہونا ہے اسی طرح آنکھ، ناک، کان، دل ودماغ اور جسم کے تمام اعضاء پر بھی اللہ کا قانون نافذ ہوگا اللہ کے احکام وقانون سے ہٹ کر ان کے پاس اسلامی زندگی کا تصور نہیں تھا، وہ پیدائش سے موت اور دفن ہونے تک اسلامی قانون پر عمل کرتے تھے، صحابہؓ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ صرف اپنی حد تک مسلمان رہیں اور ان کے اطراف غیر اسلامی ماحول، گھر میں اہل وعیال میں اور محلے وبازار میں رہے تو اس کی کچھ پرواہ نہیں، اس سے ان کا تعلق نہیں، وہ جانے اور ان کا عمل؛ بلکہ وہ ہر طرح سے نافرمان معاشرے کو فرمانبردار معاشرے میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے تھے، اگر ایسا نہیں کریں گے تو وہ اپنے آپ کو صحیح مسلمان نہیں سمجھتے تھے، بگڑے ہوئے معاشرے کو درست کرنا اپنی لازمی ذمہ داری سمجھتے تھے۔

ایمان کی وجہ سے اللہ کی صحیح پہچان نصیب ہوتی ہے، جس کے پاس اللہ کی پہچان نہیں ہوتی اس کے دل میں اللہ کا خوف اور محبت نہیں ہوتی، اور جو خوف ومحبت نہیں رکھتا وہ صحیح معنیٰ میں اللہ کی تعظیم واطاعت اور بندگی نہیں کرتا، حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ہوا علم نافع حاصل کرو، آپؑ نے عرض کیا: یا اللہ! علم نافع کونسا علم ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: علم نافع وہ علم ہے جس سے تمہیں میرے جلال، میری عظمت، میری بڑائی اور ہر شئی پر میرا کمالِ قدرت کا پتہ چلے، کیونکہ ایسا علم ہی تمہیں میرے قریب کرسکتا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ میں نابالغی میں ہی فوت ہوجاتا اور جنت میں داخل کردیا جاتا، اور بڑا ہوکر اللہ کی معرفت حاصل نہ کرتا، یہ اس لئے کہ جس کو اللہ کی معرفت زیادہ ہوگی اس میں اللہ کا خوف بھی زیادہ ہوگا، جس کو خوف زیادہ ہوگا وہ عبادت بھی زیادہ کرے گا اور جو عبادت زیادہ کرے گا اس کا تعلق بھی اللہ سے زیادہ اور خالص ہوگا۔

کائنات کی سب سے بڑی دولت ونعمت اللہ پر ایمان ہے

کائنات کی سب سے بڑی دولت ونعمت اللہ پر ایمان ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ العصر میں قسم کھا کر یہ تعلیم دی کہ جو لوگ بھی اس نعمت اور دولت سے خالی ہوں گے وہ بہت بڑے گھاٹے اور خسارے میں رہیں گے، اس نعمت کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتا ہے کہ جب کائنات میں ایک بھی ایمان والا نہیں رہے گا؛ اللہ تعالیٰ اس کائنات کو مردہ تصور کر کے فنا کر دے گا، بالکل اسی طرح جو انسان اس دنیا میں جب تک رہے گا اگر وہ ایمان والا ہوگا تو حقیقی جاندار ہے، اور اگر ایمان سے خالی ہوگا تو مردہ کی مانند چلتی پھرتی لاش ہے، اس لئے انسان اپنے آپ کو اور اپنی نسلوں کو ایمان جیسی عظیم نعمت سے محروم نہ کریں، انسانوں کی نجات کا دارومدار ایمان پر ہے، جس کے پاس ایمان ہوگا وہی آخرت میں کامیاب ہوگا۔

ہم لوگ ایمان کو ایمان مفصل کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ایمان کے اجزال کو زبان سے ادا کر لیتے ہیں، ایمان صرف زبان سے چند کلمات پڑھ لینے یا چند الفاظ ادا کر لینے سے پیدا نہیں ہوتا، ایمان کے اجزاء کو سمجھ کر زبان سے ادا کرنا اور دل سے ماننا اور جسم سے عمل کے ذریعہ اس کو ظاہر کرنے سے حقیقی ایمان والے کہلائیں گے، یہاں ہم صرف حقیقی اور شعوری ایمان کی گفتگو کر رہے ہیں، اگر آپ بچے کو بغیر سمجھائے ایمان مفصل رٹائیں گے تو ایمان نہیں آئے گا، وہ زندگی بھر بے شعور کا بے شعور ہی بنا رہے گا۔

جس طرح ایک ڈاکٹر کو لاش لا کر چیر پھاڑ کر کے اس کے اعضاء، رگوں اور جسمانی نظام کو سمجھایا جاتا ہے اسی طرح ہم ایمان اور اس کے اجزاء کو کائنات میں غور وفکر کروا کر تفصیل سے سمجھائیں؛ تو ایمان کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے، اسی لئے صحابہ کرامؓ نے پہلے ایمان سیکھا؛ پھر قرآن سیکھا، قرآن ۲۳ رسال میں پورا نازل ہوا، اس لئے پہلے انہوں ایمان کے تمام ضروری باتوں کو سیکھا، پھر آہستہ آہستہ قرآن سے کامل ایمان حاصل کیا۔

سوال:۔ قرآن مجید نے سورۂ بقرہ میں یہود کی نافرمانی کو بیان کر کے کس طرح مسلمانوں کو بھی اطاعت کی تعلیم دی؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کو خطاب کر کے فرمایا: ''تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزاء سوائے اس کے اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب میں ڈال دئے جائیں، اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت بیچ کر دنیا کی زندگی خرید لی ہے''۔

بالکل اسی طرح آج مسلمان اسلام کو مانتے ہوئے اسلامی احکام کو پسند نہیں کر رہے ہیں، اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دئے ہوئے ہیں، انسان دینداری کا لبادہ اوڑھ کر، اپنا نام مسلمان جیسا رکھ کر دنیا کو تو دھوکہ دے سکتا ہے، لیکن اصل حقیقت اللہ کو معلوم ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ کیا ہیں، اللہ دلوں کو دیکھتا ہے شکلوں اور لباس کو نہیں دیکھتا، ہر مؤمن لازماً مسلم ہوگا، لیکن ہر مسلم مؤمن نہیں ہوسکتا، ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد اطاعت مکمل اور پوری ہو، نامکمل اور جزوی نہ ہو۔

قرآن نے ایمان کی حفاظت کے لئے کن لوگوں کی مثال دی؟

سوال:۔ قرآن نے ایمان والوں کو اپنے ایمان کی حفاظت اور آخرت میں کامیابی کے لئے کس کس کی مثال دی؟

جواب:۔ قرآن مجید میں قیامت تک آنے والوں کو اپنے ایمان کی حفاظت کرنے اور آخرت میں کامیاب ہونے کے لئے چند لوگوں کے ایمان کا ذکر کر کے بتلایا کہ کسی بھی ملک میں اقلیت اور تکلیف میں ہونے کے باوجود اگر ان سے ایمان کو چھوڑنے کا مطالبہ اور مال ودولت کی پیشکش یا جان سے مار ڈالنے کی بات کی جائے تو مسلمان رسول اللہ ﷺ کی زندگی، حضرت ابراہیمؑ کی زندگی، صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں، اور

آخرت کی خاطر دنیا کی ہر قسم کی تکالیف اور دشمنوں کے ستانے کو صبر کر کے برداشت کریں اور دنیا کے آرام کی خاطر آخرت کی کامیابی کو برباد نہ کرلیں۔

سوال:۔ قرآن نے اصحاب اخدود کا مختصر تذکرہ کر کے کیا بات سمجھائی؟

جواب:۔ قرآن نے اصحابِ اخدود کی مثال دے کر بتلایا کہ وہ جب ایمان قبول کئے تو ان کی مشرک قوم نے بڑے بڑے گڑھے کھود کر آگ جلائی اور ایمان والوں کو ان گڑھوں میں ڈھکیل کر جلا ڈالا، وہ جلنے کے لئے تیار ہو گئے مگر ایمان سے منہ نہیں موڑا، کافر ان کے دل سے ایمان کو نہ نکال سکے، وہ دنیا کے برباد ہونے کی پرواہ نہ کئے، بلکہ جل کر اپنی آخرت کو منور کیا اور اللہ کے پسندیدہ بندے بن گئے۔

سوال:۔ جادوگروں نے فرعون کی دھمکی پر اسے کیا جواب دیا؟

جواب:۔ اسی طرح فرعون نے جادوگروں کی جب وہ ایمان قبول کرنے کا اعلان کیا اور دیکھا کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے رب پر ایمان لا چکے تو ان کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ دینے کی دھمکی دی، تو ایمان لا چکے جادوگروں نے صاف کہا کہ تم زیادہ سے زیادہ ہم کو موت کے گھاٹ اتار کر تکلیف دے سکتے ہو؛ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے، لیکن ہمارا ایمان نہیں چھین سکتے، یہ جواب ہر ایمان والے کو یاد رکھنا چاہئے۔

سوال:۔ فرعون کی بیوی نے فرعون کی تکالیف کے مقابلہ کیا پسند کیا؟

جواب:۔ اسی طرح فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ کو امت محمدیہ کے لئے مثال بنا کر بتلایا گیا کہ وہ شاہی محل میں رہنے، اعلیٰ وعمدہ زندگی گذارنے کے باوجود ایمان کی خاطر مرنے کے لئے تیار ہو گئیں، لیکن ایمان چھوڑنے کو تیار نہ ہوئیں اور اللہ سے دعاء مانگ کر شہید ہونا گوارا کیا، ان کے پیروں اور ہاتھوں میں کیلے ٹھونک کر اوپر سے پتھر گرا کر شہید کر دیا گیا۔

حدیث میں ان کی خادمہ کے ایمان قبول کرنے پر اپنے بچوں کے ساتھ گرم پانی کے دیگ میں پھینکا جانا اور شہید ہونا قبول کر لیا اور شہید ہو گئیں، مگر ایمان کو نہیں چھوڑا۔

سوال:۔ حضرت سمیہؓ نے باوجود باندی ہونے کے کس طرح مرنا گوارا کیا؟

جواب:۔ حدیث میں سب سے پہلی شہید خاتون حضرت سمیہؓ کی شہادت کا واقعہ قیامت تک مسلمانوں کے لئے سبق کے طور پر رکھا گیا، جو ایمان قبول کرنے کی وجہ سے ابوجہل کے ہاتھوں شہید ہوگئیں، انہوں نے غلامی کی زندگی میں اسلام قبول کیا جو باندی تھیں، ابوجہل نے ان کی شرمگاہ میں خنجر مار کر ان کو شہید کر دیا، مگر انہوں نے ایمان نہیں چھوڑا۔

حضرت خبیب بن مالکؓ کو بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے گرفتار کر کے مکہ میں لا کر فروخت کر دیا گیا اور ایک کمرے میں بند کر کے رکھا گیا، آپؓ پورے اطمینان سے رات میں قرآن پڑھتے رہتے، گھر کی ساری عورتیں کمرے کے اطراف جمع ہو کر سنتی تھیں، ایک دن چہرہ بنانے کے لئے انہوں نے اُسترا مانگا، اتفاق سے ایک چھوٹا بچہ بھی کمرے میں آ کر ان کی گود میں بیٹھ گیا، گھر کی عورتوں نے خوف محسوس کیا، آپؓ نے فرمایا: ڈرو نہیں! میں اپنے آقا کے حکم کے مطابق بچے کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا، پھر سولی پر چڑھانے سے پہلے آپؓ سے کہا گیا کہ تم اپنی جگہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو محسوس کرو، اس پر آپؓ نے پورے اطمینان اور سکون سے کہا کہ: میں اپنے پیغمبرؐ کے پاؤں میں کانٹا بھی برداشت نہیں کر سکتا، اس کے بعد ان کے انگلیوں کے پوروے کاٹے گئے، تب بھی ٹکڑے ہونا گوارا کیا اور شہید ہونے کے لئے تیار رہے لیکن ایمان سے انحراف پسند نہ کیا، آپؓ کی شہادت کو دیکھ کر حضرت سعید بن عامرؓ اسی مجمع میں کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے، آپؓ کے اس طرح اطمینان وسکون اور اللہ پر بھروسہ سے بہت متاثر ہوئے اور بے چین ہو کر رات بھر سو نہ سکے، پھر دوسرے دن ایمان لے آئے۔

ان لوگوں کے نزدیک دنیا کی جان و مال سے زیادہ قیمتی چیز ایمان تھا، ایمان کی خاطر انہیں اپنی جان و مال لُٹانا گوارا اور منظور تھا لیکن اللہ کو چھوڑنا ان کے لئے ناممکن تھا۔

دنیا میں انسان کا نفس سب سے بڑا بت ہے!

دنیا میں دو قسم کے بت ہیں، ایک وہ جو مورتی کی شکل میں بنائے جاتے ہیں، ان کی پوجا اور پرستش کی جاتی ہے، ان کے سامنے ڈنڈوت کیا جاتا ہے، دوسرا وہ بت ہے جو خود

انسان کے اندر ''نفس امارہ'' کی شکل میں چھپا ہوا ہوتا ہے، جس کی کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی اور نہ کوئی اس کے سامنے ڈنڈوت کرتا ہے، یہ چوبیس گھنٹے انسان کے ساتھ چپکا ہوا رہتا ہے، مگر دنیا کے تمام بتوں میں یہ اتنا بڑا بت ہے کہ اس سے مقابلہ کرنے کو جہاد اکبر کہا گیا ہے، یہ انسان کی آنکھوں، کانوں، زبان، دل، دماغ، ہاتھ، پیر سے گناہ کرانا چاہتا ہے، اور ہمیشہ اللہ کی نافرمانی اور بغاوت پر اکساتا رہتا ہے، اس لئے انسان کو اس بت پر کڑی نظر رکھنی چاہئے، لوگ جہاں باہر کے بتوں کو بُرا سمجھتے ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں؛ مگر اپنے اندر کے اِس بت کو نہ بُرا سمجھتے ہیں اور نہ اس سے نفرت کرتے ہیں، اگر اس کی تربیت نہیں کی گئی اور اس کو قابو میں نہیں کیا گیا (جو اس کی تربیت نہیں کرتے اور اس کو قابو میں نہیں کرتے وہ) تو اس کی خوب فرمانبرداری کرتے ہیں، اس کے اشاروں پر بھاگتے ہیں، اس کی ہر مرضی اور خواہش کو پورا کرتے ہیں، قرآن نے اس کے تعلق سے فرمایا: لوگ اپنے نفس کو خدا بنا لیتے ہیں۔

چنانچہ جیسے دنیا میں انسان کے بنائے ہوئے بت کے سامنے جھکنا شرک ہے اسی طرح نفس کی اطاعت ناجائز اور گناہ کے کاموں میں لگنا شرک ہے، ۱۸/ویں پارے میں فرمایا: قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى ۝ (الاعلیٰ:۱۴) جو کوئی اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا، اس کی تربیت نہ کرنے سے انسان کو غصہ، تکبر، انانیت، غرور، حسد، جلن، جھوٹی شان، احساسِ برتری، غریبوں سے نفرت، جان بوجھ کر حق کا انکار، سامنے والے کی حقارت؛ جیسے اخلاقِ رذیلہ کرواتا ہے، مشرکین مکہ اور یہود ونصاریٰ اس کا شکار ہوگئے تھے۔

فضول خرچی، بے پردگی، گالی گلوج، تمام اخلاقِ رذیلہ، نماز سے دوری، بدعات و خرافات، پیغمبر، ولیوں اور بزرگوں کے ساتھ غلو، جاہلانہ رسم ورواج، سب اسی کی ترغیب سے انسان کرتا ہے، ذرا غور کیجئے کہ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود ان بیماریوں میں مبتلا ہیں، گویا ایمان رکھتے ہوئے شرک کر رہے ہیں، ہر وہ کام جو شریعت کے خلاف ہوگا نفس کی اطاعت کہلائے گا، اس لئے نفس کا بندہ بن کر نہ رہیں، اگر کوئی آپ کی تعریف کر رہا ہو تو اس کا رخ بدل کر اللہ کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کی طرف کردو، خود کی تعریف

پر خوش مت ہو، گدھا گھاس کھا کر موٹا ہوتا ہے، انسان کا نفس تعریف سن کر موٹا ہوتا ہے۔

دنیا کو امن وسکون کی جگہ بنانے کا ایک ہی راستہ ہے

دنیا کو امن وسکون سے آراستہ کرنا ہو اور عدل وانصاف کی جگہ بنانا ہو، انسانوں کو گناہوں سے دور رکھنا ہو تو صرف ایک ہی راستہ ہے؛ وہ یہ کہ انسانوں کو صحیح ایمان سے آراستہ کیا جائے، جب انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ پر صحابہؓ جیسا ایمان لائے گا اور صحابہ کرامؓ جیسا عمل اختیار کرے گا تو دنیا امن وسکون کا گہوارہ اور راحت وچین کی جگہ بنے گی، اس لئے کہ اسی ایمان کی وجہ سے انسان میں اللہ تعالیٰ کی محبت، ادب واحترام، ڈر خوف، تقویٰ وپرہیز گاری، جواب دہی کا احساس اور جزاء وسزاء کا احساس پیدا ہوگا، اور وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا اور خود کو چھوٹا سمجھے گا، اللہ تعالیٰ کو معبود اور خود کو بندہ سمجھے گا اور اللہ تعالیٰ کے قانون کو اپنے اوپر نافذ کر کے اپنے آپ کو اللہ کا نمائندہ سمجھے گا، دنیا کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھے گا، اور ان کا استعمال صرف اور صرف اللہ کے حکم اور اس کی مرضی کے مطابق ہی کرے گا۔..... صحیح ایمان ہی کی وجہ سے انسانوں میں کالے گورے، امیر غریب، بڑے چھوٹے، اونچ نیچ کا فرق مٹ سکتا ہے، ایمان ہی کی وجہ سے ایک ملک کا انسان دوسرے ملک کے انسان کو برداشت کرسکتا ہے، ایمان ہی کی وجہ سے حسب نسب اور پیشوں، عرب وعجم کا فرق مٹ سکتا ہے، ایمان ہی کی وجہ سے اپنے اور غیر کا امتیاز ختم ہوسکتا ہے، ایمان ہی کی وجہ سے زبانوں کا اختلاف، رنگوں کا اختلاف، ملکی اور غیر ملکی کا اختلاف، پڑھے لکھے اور اَن پڑھ کا اختلاف ختم ہوسکتا ہے، ایمان ہی کی وجہ سے انسان کائنات کی تمام چیزوں سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرسکتا ہے، ایمان ہی کی وجہ سے انسان اپنے کو چھوٹا اور اللہ کو بڑا سمجھ سکتا ہے، ایمان ہی کی وجہ سے انسانوں میں اتحاد واتفاق، بھائی چارہ اور اپنائیت پیدا ہوسکتی ہے، جس کا مظاہرہ امت مسلمہ حج کے ایام، جمعہ اور عیدین میں کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆